نصرۃ

میگزین

نصرۃ میگزین شمارہ 54

مئی / جون 2020 بمطابق

رمضان / شوال 1441 ہجری

سرمایہ دارانہ نظام نے ہم پر مسلط کر رکھا ہے کہ ہم کورونا وائرس کی بیماری یا لاک ڈاؤن سے پیدا ہونے والی فاقہ کشی میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔۔۔

اے بھارت کے مسلمانو، خود پر سے اقلیت کا لگا لیبل اُتار پھینکو، مسلمان ہونے پر فخر کرو!

کیا فلاحی ریاست کا تصور اسلام سے مطابقت رکھتا ہے؟

خلیفہ کی طرف سے فوج کی قیادت کرنے کا مفہوم

ایسا نوجوان جس کی پرورش اللہ سبحانہ وتعالی کی بندگی میں ہوئی

انبیاء اور صحابہ کے کرداروں پر مبنی فلموں میں کام کرنے اور دیکھنے سے متعلق حکم

نصرة میگزین / شمارہ 54

مئی / جون 2020 بمطابق رمضان / شوال 1441 ہجری

اس شمارے میں

کورونا وائرس کا بحران: سرمایہ دارایت کو ختم اور خلافت قائم کریں	اداریہ	1
تفسیر سورۃ البقرۃ 200 - 202	شیخ عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ	2
ایسا نوجوان جس کی پرورش اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی میں ہوئی	مصعب عمیر	4
سرمایہ دارانہ نظام نے ہم پر مسلط کر رکھا ہے کہ ہم کورونا وائرس کی بیماری یا لاک ڈاؤن سے۔۔۔	حزب التحریر ولایہ پاکستان	7
آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے	الوعی میگزین	12
خلیفہ کی طرف سے فوج کی قیادت کرنے کا مفہوم	حزب التحریر	14
جمہوریت کا تابوت	منعم احمد	19
کیا فلاحی ریاست کا تصور اسلام سے مطابقت رکھتا ہے؟	محمد اکمل	20
علم حدیث میں جرح وتعدیل کے اصول	عثمان عادل	26
اے بھارت کے مسلمانو! خود پر سے اقلیت کا لگا لیبل اُتار پھینکو، مسلمان ہونے پر فخر کرو!	حمید بن احمد	32
انتظامی قوانین بشمول ٹریفک قوانین اور اس سے متعلق حکم شرعی	سوال وجواب	34
انبیاء اور صحابہ کے کرداروں پر مبنی فلموں میں کام کرنے اور دیکھنے سے متعلق حکم	سوال وجواب	37
کرونا وائرس کی حقیقت کیا ہے؟	سوال وجواب	39
حزب التحریر ولایہ ترکی کی طرف سے استنبول میں عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد۔۔۔	میڈیا آفس ولایہ ترکی	47

کورونا وائرس کا بحران: سرمایہ دارایت کو ختم اور خلافت قائم کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس رمضان، 1441 ہجری، ایک ایسی صورتحال میں آیا ہے جب دنیا زبردست بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ ایک تکلیف جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ننی ترین مخلوق، وائرس، کی صورت میں آئی، جس نے سرمایہ داریت اور سیکولرازم کی جھوٹی بنیاد کو بے نقاب کر دیا ۔ وہ جھوٹی بنیاد یہ ہے کہ مذہب کو دنیاوی زندگی سے الگ ہونا چاہئے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور طب میں زبردست ترقی کے باوجود انسانیت کو ایک انتہائی ننھی سی مخلوق نے بے بس کر دیا جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت اور اس تمام پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بالادستی کا ثبوت ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے۔

انسانیت اس وقت مایوسی، نقصان اور افراتفری کا شکار ہے لیکن وہ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں انہوں نے اس تکلیف میں اچھے اعمال اختیار کیے اور وہ صبر کے ساتھ اس امید پر اس وبائی بیماری کا سامنا کر رہے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے ہر قسم کے نقصان کو بہت ہی اچھے طریقے سے پورا کریں گے اور اس تکلیف سے نکلنے کے لیے وہ اپنے رب سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بے پناہ وسائل کے باوجود بھوک کے خطرے نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو پریشان کر دیا ہے کیونکہ اس بیماری نے سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کی وجہ سے چند ہاتھوں میں دولت کے بے پناہ ارتکاز کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ صورتحال اس وقت سے بہت مختلف ہے جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی قائم تھی جہاں دولت کی تقسیم پر اتنی توجہ دی جاتی تھی کہ اسلامی تاریخ میں ایسے ادوار بھی آئے جب غریب ڈھونڈنے سے نہیں ملتے تھے۔

طب کے شعبے میں زبردست ترقی اور بہادر پیرا میڈیکل اسٹاف کی موجودگی کے باوجود، اس بیماری کی وجہ سے طبی سہولیات بہت کم پڑ گئیں۔ اس بیماری کے پھیلاؤ نے سرمایہ داریت کے تحت شعبہ صحت کی محدود صلاحیت بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کی جانب سے

بے پناہ وسائل کے باوجود بھوک کے خطرے نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو پریشان کر دیا ہے کیونکہ اس بیماری نے سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کی وجہ سے چند ہاتھوں میں دولت کے بے پناہ ارتکاز کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ صورتحال اس وقت سے بہت مختلف ہے جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی قائم تھی جہاں دولت کی تقسیم پر اتنی توجہ دی جاتی تھی کہ اسلامی تاریخ میں ایسے ادوار بھی آئے جب غریب ڈھونڈنے سے نہیں ملتے تھے۔

اس اہم ترین شعبہ کو نظر انداز کیے جانے کو بے نقاب کر دیا جو اس بات پر شدید اصرار کرتا ہے کہ شعبہ صحت کو بھی لازمی نفع و نقصان کی بنیاد پر چلایا جائے۔ لہٰذا سرمایہ داریت لازمی قرار دیتی ہے کہ نجی شعبہ صحت اور نجی کمپنیاں جو اس شعبے کو آلات و ادویات فراہم کرتے ہیں صرف اور صرف نفع و نقصان کی بنیاد پر کام کریں۔ اس کے علاوہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرکاری شعبۂ صحت کو کفایت شعاری اور اخراجات کم کرنے کے نام پر بری طرح سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ یہ صورتحال اسلام کے دَور سے بہت مختلف ہے جب ریاست مفت صحت کی سہولیات بہم پہنچاتی تھی جس کی وجہ سے طب کے شعبے نے اتنی ترقی کی کہ دنیا بھر سے لوگ طبی سہولیات کے حصول کے لیے اسلامی علاقوں کا رخ کرتے تھے۔

جس طرح حضرت موسیٰؑ کے عصا (چھڑی) نے فرعون کے جادوگروں کے دھوکے کو بے نقاب کر دیا تھا، اسی طرح کورونا وائرس کی بیماری نے انسانوں کے بنائے نظام، سرمایہ داریت، کے جھوٹ اور اس کو نافذ کرنے والے آج کے فرعونوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یقیناً اسلامی امت کے لیے یہ ایک بے مثال صورتحال اور ایک بے مثال موقع ہے کہ وہ انسانوں کے امور کی نگہبانی اور ان کی انجام دہی سے متعلق اپنے منفرد نقطۂ نظر کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

1441 ہجری کے اس رمضان میں مسلمانوں کو اپنی ڈھال، نبوت کے نقش قدم پر خلافت، کی بحالی کے لیے بھرپور جدوجہد کرنی چاہیے۔ ایک عام مسلمان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کی بحالی کا مطالبہ کرنا چاہیے جبکہ افواج میں موجود مسلم افسران کو خلافت کے قیام کے لیے نُصرۃ فراہم کرنی چاہیے تاکہ فوری طور پر اسلام کا عملی نفاذ شروع ہو سکے۔

آئیں سرمایہ دارایت کو ختم کریں اور خلافت کو قائم کریں۔

ختم شد

تفسیر سورۃ البقرۃ : آیت 202 – 200

فقیہ اور مدبر سیاست دان امیر حزب التحریر شیخ عطا بن خلیل ابو رَشتہ کی کتاب **تیسیر فی اصول التفسیر** سے اقتباس:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ (200)- وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (201)- أُوْلَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ (202)﴾

" پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ کرو۔ اب بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دعا میں بس) یہ کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا فرما" اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور انہیں میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔" یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ (ثواب کی صورت میں) ملے گا، اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔"

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

1 – حاجی مناسکِ حج سے فارغ ہو جائیں تو انہیں اللہ کا ذکر کرنا چاہیے، جیسے وہ اپنے آباؤ اجداد کا تذکرہ کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کریں۔

اس آیت میں کلمہ (اَوْ) بمعنی (بَلْ) ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، یاد کرنا بھی محض ایسے نہیں جیسے اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کریں، حاجیوں کی یہ عادت تھی کہ جب حج کے اعمال سے فارغ ہو جاتے تھے، تو وہ منیٰ میں موجود عبادت گاہ اور جبلِ رحمت کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے آباؤ اجداد کی تعریفیں کرنے اور ان کے کارنامے اور سوانح گنوا گنوا کر سنانے میں ایک پورا دن گذارا کرتے تھے، ان آیات میں اس رسم کی طرف اشارہ ہے اور ان کے ذریعے انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو مذکورہ روِش ترک کرنے کا حکم دیا، ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اس سے پہلے جیسے وہ اپنے آباؤ اجداد کی یادیں سناتے اور تذکرے کرتے تھے، اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے زیادہ کریں جتنا وہ اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے تھے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جاہلیت والے حج کے تہوار میں حجاج عرفات پر وقوف کرتے تھے، ایک آدمی کہتا: میرا باپ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا، لوگوں کے بوجھ اُٹھاتا، اور دیتیں اپنے ذمہ لیتا تھا، اپنے آباء کے کارنامے بیان کرنے کے سوا ان کا کوئی دھندا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر آیات اتاریں۔ (فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا)" پس اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ کرو۔"

2 – اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ حاجیوں کے دو فریق ہیں:

ا۔ ایک فریق تو وہ ہے جو صرف دنیاوی زندگی کی کامیابیوں میں دلچسپی رکھتے ہیں، چنانچہ ان کی دعا صرف دنیا کی بہتری تک محدود ہوتی تھی، دعا مانگتے بھی تو یہی کہ اللہ ہمیں معاشی بے فکری اور دنیاوی ساز و سامان اور آرائش عطا کر دے، آخرت کے ساتھ ان کا کوئی سروکار نہیں ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ سے اخروی کامیابی کی بابت مانگیں، ان جیسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ انہیں فقط دنیا کی فکر لگی ہوئی ہے۔

ب۔ دوسرا فریق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دنیا میں فضل و نعمت اور آخرت میں اجر کی دعائیں مانگتے ہیں۔ یعنی دنیا میں بھی اچھی اور عمدہ ترین زندگی اور آخرت میں بھی عمدہ اور بہترین زندگی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پالیتے ہیں اور عذاب جہنم سے بھی نجات حاصل کر لیتے ہیں۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا دیں گے، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں، ان لوگوں کی تعداد چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اور ان کے اعمال بہت زیادہ کیوں نہ ہوں، ان کے حساب سے اللہ عاجز و بے بس نہیں، بلکہ بہت جلد ان کا حساب چکا دے گا۔ اس لیے فرمایا(أُوْلَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ) " یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ (ثواب کی صورت میں) ملے گا، اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔"

ختم شد

بقیہ صفحہ 6 سے

تھے۔ انہوں نے جنگوں میں راکٹ کے استعمال کو متعارف کرایا۔ 1766 عیسوی میں جب وہ پندرہ سال کے تھے تو انہوں نے اپنے والد کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں پیدل فوج کی قیادت کی۔ سترہ سال کی عمر میں ٹیپو کو اہم سفارتی و فوجی معاملات کو آزادانہ دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ میدان جنگ میں شہید ہوئے جب وہ انگریزوں کے خلاف مسلم سرزمین کی حفاظت کر رہے تھے۔ انگریز ان کی بہادری، جنگی فن وہنر اور تخلیقی چالوں سے خوف کھاتے تھے، اور ان کا نام آج بھی ہمارے اس خطے میں بہادری کا استعارہ ہے۔

ایسے تھے اسلام کے سائے میں پل بڑھ کر جوان ہونے والے مسلمان! آج امتِ مسلمہ کو ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے، ایک ایسے وقت میں جب امت پر اسلام کے دشمن چاروں طرف سے حملہ آور ہیں اور اسے برباد کر رہے ہیں! ان شاء اللہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کی واپسی کی رسول اللہ ﷺ کی بشارت پوری ہو گی اور امید ہے کہ یہ خلافت موجودہ نسل میں موجود اچھے مسلمان نوجوانوں کے کندھوں پر کھڑی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،«مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَوْ آخِرُهُ»"میری امت بارش کی طرح ہے، یہ نہیں پتہ کہ اس کا پہلا حصہ اچھا ہے یا آخری حصہ اچھا ہے"(ترمذی)۔

ختم شد

بقیہ صفحہ 18 سے

حملے کیلئے موقع کی تاک میں ہوتے ہیں۔ اگر فوج کو حکومت میں کردار دے دیا جائے، چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، تو دشمن کے ہاتھوں ان کا بِک جانا سیاست دانوں کی نسبت زیادہ آسان ہے کیونکہ ان کے کام کی نوعیت مادی فوجی کاموں کی ہے جس کے باعث ان کیلئے غیر معمولی داؤ پیچ اور خفیہ سیاسی نتائج کو سمجھنا مشکل ہے۔ لہٰذا انھیں اقتدار چھیننے یا حکمران تبدیل کرنے کیلئے ان کی رائے کے مطابق ملک میں کچھ فوائد یا ذاتی فوائد کی لالچ دی جا سکتی ہے۔ اس کی وجہ سے خطرہ صرف حکمران شخصیات یا حکمرانی ہی کو لاحق نہیں بلکہ امت اور ریاست کو بھی ہے کیونکہ امت کی اکائی کئی لوگوں، افکار، مقیاسات اور اعتقادات سے مل کر بنتی ہے اور ریاست کی اکائی قابل افراد کے گروہ جسے اختیار سونپا گیا، افکار، مقیاسات اور اعتقادات سے مل کر بنتی ہے۔ اگر فوج بیرونی لالچ کی وجہ سے طاقت سنبھال لے تو وہ فوج، ان افکار، مقیاسات اور اعتقادات میں چلی جائے گی جو ریاست کے علاوہ ہیں، جہاں سے ریاست کی اکائی میں نقصان آنا شروع ہو جائے گا، بلکہ اس کی وجہ سے کافر ریاستوں کا اثر بھی سرائیت کر سکتا ہے جو تباہی اور بربادی کا باعث ہو گا۔

لہٰذا فوج یا فوجی ادارے کا اقتدار یا حکومت میں موجود ہونے کی اجازت کا ہونا ایک بھیانک خطرہ ہے۔

امتِ اسلامی کے ساتھ یہی ہوا جب فوج کے اقتدار میں کردار کے باعث پوری ریاست اور امت کو خطرہ لاحق ہو گیا جس نے نتیجتاً اسلامی ریاست اور امتِ اسلامی کی اکائیوں کو مٹا دیا۔ عثمانی دور کے آواخر میں استنبول میں موجود کافر ریاستوں کے سفارتخانوں نے فوج پر اثرانداز ہونا شروع کر دیا یہاں تک کہ غیر اسلامی افکار، پیمانے اور اعتقادات ریاستی ادارے کا حصہ بن گئے۔ اس معاملے میں مِدہت پاشا اور افسران کا کردار اہم تھا جنہوں نے یہ افکار، پیمانے اور اعتقادات ترتیب دیے، خصوصاً حکومت الٹانے کی اس کوشش میں جب عبدالحمید (خلیفہ) کو لایا گیا اور وہ کوشش جب عبدالحمید کو خلیفہ کے منصب سے ہٹا کر محمد راشد کو خلیفہ نصب کیا گیا۔ اس سے پہلے مصر کے محمد علی کا کردار تھا جو فرانسیسی ایجنٹ بنا تاکہ استنبول میں اسلامی خلافت پر حملہ کیا جا سکے۔ پھر جنگِ عظیم اول میں عثمانی خلافت کی شکست کے بعد مصطفیٰ کمال کا کردار آیا جس نے انگریز کے ساتھ مل کر خلافت کو تباہ کرنے کی سازش کی اس کے بدلے میں اس نے استنبول سے اتحادیوں کے انخلاء اور امن کانفرنس میں مدد حاصل کی۔ فوج کے ان کرداروں نے اسلامی ریاست کو ہلا کر رکھ دیا اور پھر ختم کر دیا اور امتِ اسلامی کے اجتماعی وجود کو بھی ختم کر دیا۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ فوجی ادارے یا فوج کو اقتدار میں کسی قسم کی جگہ دی جائے۔

حزب التحریر کی تبنی کردہ کتاب "شخصیہ اسلامیہ "جلد دوم سے اقتباس

ختم شد

ایسا نوجوان جس کی پرورش اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی میں ہوئی

تحریر: مصعب عمیر، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں پل بڑھ کر جوان ہونے والا ان سات طرح کے مبارک لوگوں میں سے ایک ہو گا جنہیں روزِ قیامت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہو گا جب اس سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہو گا۔ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، **سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ فِي خَلاَءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا قَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ. وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا، حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا صَنَعَتْ يَمِينُهُ**"سات (طرح کے) آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جبکہ عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔ عادل حاکم، ایسا نوجوان جس کی پرورش اللہ کی بندگی میں ہوئی، ایسا شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لگا رہتا ہے، وہ دو آدمی جو آپس میں اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں، وہ شخص جسے کسی بلند مرتبہ اور خوبصورت عورت نے اپنی طرف بلایا اور اس نے جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جس نے اتنا پوشیدہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دائیں نے کتنا اور کیا صدقہ کیا ہے۔"(بخاری)۔ اللہ نے ایسے نوجوان کو کتنا بلند مرتبہ عطا کیا ہے کہ جس نے اپنی جوانی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے گزاری !! عربی زبان میں

سات (طرح کے) آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جبکہ عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔ عادل حاکم، ایسا نوجوان جس کی پرورش اللہ کی بندگی میں ہوئی، ایسا شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لگا رہتا ہے، وہ دو آدمی جو آپس میں اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں، وہ شخص جسے کسی بلند مرتبہ اور خوبصورت عورت نے اپنی طرف بلایا اور اس نے جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جس نے اتنا پوشیدہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دائیں نے کتنا اور کیا صدقہ کیا ہے۔"(بخاری)۔

'شاب' ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی عمر بالغ ہونے سے لے کر 40 ہجری سال تک ہو۔ تو اس نوجوان مسلمان کی کیا ہی بات ہے کہ جس میں اس خاصیت کے ساتھ وہ دیگر خصوصیات بھی موجود ہوں جن کا اوپر حدیث میں ذکر کیا گیا کہ جنہیں قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ نصیب ہو گا؟ ایسا نوجوان جو رات کو تنہائی میں اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کہ اس کے گھر والے بھی اس سے بے خبر رہتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خوف سے رات کو اور صبح کے قریب آنسو بہاتا ہے جبکہ اس جوانی کے عالم میں وہ اس قابل تھا کہ اپنی راتوں کا وقت دنیا کی دولت اور آسائشیں جمع کرنے کے لیے خرچ کرے ؟ اور ایسا نوجوان جو تسلسل سے مسجد جاتا ہے جو اللہ رب العزت کا گھر ہیں جبکہ یہ وہ عمر ہے کہ دنیا کی رنگینیاں اسے راغب کرتی ہیں کہ وہ کھیل تماشے اور بے کار گپوں اور چیٹ میں اپنا وقت ضائع کرے ؟ اُس نوجوان مسلمان کے کیا کہنے کہ جو دین کو مضبوط بنانے کی سرگرمی میں لوگوں سے دوستی کرتا ہے اور اللہ کی خاطر دین پر چلنے والوں سے محبت کرتا ہے جبکہ نوجوانی کے دور میں اس کے پاس یہ موقع ہے کہ وہ دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے دوستیاں اور وسیع تعلق بنا سکتا ہے ؟ اس نوجوان کی کیا ہی بات ہے جو شباب کے عروج پر ہے کہ جب حرام تعلق کی کشش بہت زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایسی عورت کی گناہ کی دعوت کو رَد کر دیتا ہے جو خوبصورت بھی ہے اور اس کا گھرانہ بھی نامور ہے؟ اس نوجوان مسلمان کے متعلق کیا کہا جائے جو جس قدر ممکن ہو خفیہ طریقے سے صدقہ وخیرات دیتا ہے جبکہ اس کے رزق کے ذرائع محدود ہیں ، اس نے ابھی اپنے کاروبار کو مضبوط بنیاد فراہم کرنی ہے، اپنا کیریئر بنانا ہے، اور جبکہ یہ وہ عمر ہے کہ جس میں انسان میں خواہش ہوتی ہے کہ اس

کے ہمسر و ہم عصر اس کی صلاحیتوں کا لوہا مانیں؟ اس نوجوان مسلمان کے متعلق کیا کہا جائے جو عادل حکمران بھی ہو، جیسا کہ ہم اسلامی ادوار میں دیکھ چکے ہیں اور ان شاء اللہ ایک بار پھر جلد دیکھیں گے، جب نبوت کے نقش قدم پر خلافت کا سلسلہ دوبارا قائم ہو گا۔ تو اے نوجوانو! کیا اللہ ربّ العزت کے عرشِ عظیم کے سائے کو حاصل کرنا ایسی سعادت نہیں کہ جس پر جوانی کے جوش و جذبے کو خرچ کیا جائے؟!

یقیناً ایک نوجوان، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے اور اللہ سے رحم اور معافی کی امید رکھتا ہے، وہی اپنی نوجوانی کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک نوجوان کے پاس گئے جب وہ بستر مرگ پر تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا، **كَيْفَ تَجِدُكَ** "تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! یقیناً مجھے اللہ سے اچھی امید ہے اور میں اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لاَ يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلاَّ أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ** " یہ دونوں چیزیں ایسے وقت میں (وقتِ نزع میں) جس بندے کے دل میں جمع ہو جاتی ہیں تو اللہ اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے جس کی وہ اس سے امید رکھتا ہے اور اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے جس سے وہ ڈر رہا ہوتا ہے" (ترمذی)۔ ایسا ہوتا ہے وہ نوجوان جو دین کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، دین کے ذریعے اپنی فکر اور سوچ کی آبیاری کرتا ہے اور اپنے دل کو دین کے مطابق بدلتا ہے۔ اچھا نوجوان نیک خاندان کا ثمر ہے اور پھر وہ خود بھی ایک نیک خاندان کی تعمیر کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ** "مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں" (التحریم 66:6)۔ قتادہ نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے: "وہ شخص اللہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے تاکہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو، وہ گھر والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو تسلیم کریں اور اللہ کے احکامات پر چلنے میں اپنے گھر والوں کی مدد کرتا ہے۔ جب وہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کو نافرمانی کرتے دیکھتا ہے تو وہ اسے ٹوکتا ہے اور اس پر عمل سے روکتا ہے"۔ ضحاک اور مقاتل نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے، بیان کیا: "مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں اور اپنے مرد و عورت غلاموں کی تربیت کرے، انہیں بتائے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے لیے کیا حلال کیا اور کیا حرام کیا ہے"۔ احمد، ابو داؤد اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «**مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، فَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا**» "بچے جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز (کے ترک کرنے) پر اسے مارو" (ابو داؤد)۔ ایسے گھرانے حقیقت میں دولت مند ہیں کیونکہ آخرت میں ان کا رتبہ و مقام بلند ہو گا۔ یہ وہ ہیں جو دین کو ہر معاملے میں سب سے آگے رکھتے ہیں اور دنیا کی تمام دوڑ دھوپ پر فوقیت دیتے ہیں۔ ایسے گھرانوں میں دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانا زندگی کا مرکز و مقصد ہوتا ہے، پس وہ ڈگریوں اور عہدوں کے ذریعے دنیا کے رتبے اور سٹیٹس حاصل کرنے کی اندھا دھند دوڑ میں شریک نہیں ہوتے کہ جس کے نتیجے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی پر سمجھوتہ کرنا پڑے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی جو خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے سے متعلق ہے، ایک نوجوان یہ آیت سن کر خوف سے بے ہوش گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے دل پر رکھا اور دیکھا کہ اس کا دل دھڑک رہا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا، یا **فتی قل لا إله إلا الله** "اے نوجوان کہو: **لا اله الا الله**"۔ لڑکے نے دُہرایا: **لا اله الا الله**، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جنت کی بشارت دی۔ صحابہؓ نے پوچھا: کیا یہ ہم میں سے صرف اسی کے لیے ہے اے اللہ کے رسول؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **أَوَما سمعتم قوله تعالى ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ** "کیا تم نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا: یہ اس شخص کے لیے ہے جو (قیامت کے روز) میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کرے (ابراہیم 14:14)" (حاکم و ذہبی)۔ ایسا ہوتا ہے وہ نوجوان کہ جو رہتا تو اس دنیا میں ہے مگر اس کی آنکھیں مضبوطی سے آخرت پر جمی ہوتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **أَوَما سمعتم قوله تعالى ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ** "کیا تم نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا: یہ اس شخص کے لیے ہے جو (قیامت کے روز) میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کرے (ابراہیم 14:14)" (حاکم و ذہبی)۔ ایسا ہوتا ہے وہ نوجوان کہ جو رہتا تو اس دنیا میں ہے مگر اس کی آنکھیں مضبوطی سے آخرت پر جمی ہوتی ہیں۔

یقیناً یہ نیک نوجوان ہی تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں دنیا کو پہلی بار اسلام کی ہدایت سے روشناس کرایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے کئی اصحابؓ نے اسلام کی دعوت کو نوجوانی کے اوائل میں قبول کیا تھا۔ چوتھے خلیفۂ راشد ، علیؓ ابن ابی طالب، نے صرف آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ جس نوجوان نے رسول اللہ ﷺ کو محفوظ رکھنے کے لیے کفار کے تیروں کے سامنے اپنے جسم کو ڈھال بنادیا تھا اور اسی کوشش میں ان کی انگلیاں شل ہوگئی تھیں ،وہ طلحہ بن عبید اللہؓ صرف گیارہ سال کے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ارقم ابن ابیٔ ارقم، جنہوں نے اپنے گھر کو اسلام کی تعلیمات سیکھنے سکھانے کے لیے وقف کر دیا تھا اور ان کا گھر رسول اللہ ﷺ کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا، نے چودہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ جس نوجوان نے حبشہ کے بادشاہ کو اسلام کی دعوت پہنچائی تھی، یعنی جعفر بن ابی طالبؓ، ان کی عمر قبولِ اسلام کے وقت اٹھارہ سال تھی۔ تیسرے خلیفۂ راشد، عثمان بن عفانؓ، نے تقریباً بیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا جس کے بعد انہوں نے اسلام کی زبردست خدمت کی اور اس کے لیے بیش بہا مالی قربانیاں بھی دیں۔ خباب بن الآرتؓ نے بیس سال کی عمر میں قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا جس کے بعد انہوں نے شدید ترین تشدد کا سامنا کیا تھا۔ وہ نوجوان جس کے ہاتھوں یثرب مدینہ منورہ میں تبدیل ہوا اور پہلی اسلامی ریاست بنا، جس نے مدینہ میں اسلام کی دعوت کو عام کیا اور اس کے سرداروں کو اسلام پر قائل کیا، وہ مصعب بن عمیرؓ تھے جو چوبیس سال کے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ دوسرے خلیفۂ راشد، عمر بن خطابؓ ، چھبیس سال کے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا جب رسول اللہ ﷺ کی دعا ان کے حق میں قبول ہوگئی۔ اس بہترین پہلی اسلامی نسل کے بہت بعد بھی، بیشتر اسلامی ادوار میں، یہ اسلام کی بنیاد پر پرورش پانے والے نوجوانوں ہی تھے ، جو سیاسی و فوجی قیادت کے طور پر نمایاں ہوئے۔ تو ہم ان میں سے صرف تین کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں جنہوں نے دین کو عظمت کی نئی بلندیوں تک پہنچایا اور اسی دین کے ذریعے خود انہوں نے بھی عظمت کی بلندیوں کو چُھولیا۔ وہ تین نوجوان یہ تھے: محمد الفاتح، اورنگ زیب عالمگیر اور ٹیپو سلطان، اللہ ان سب سے راضی ہو اور ان سب پر رحم فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ، « **لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِينِيَّةُ فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذَلِكَ الْجَيْشُ**» "تم ضرور بالضرور قسطنطنیہ فتح کروگے اور کیا ہی اعلیٰ اس کا امیر ہوگا اور کیا ہی اعلیٰ وہ لشکر ہوگا جو اسے فتح کرے گا "(احمد)۔ یہ بشارت ایک نوجوان کے ہاتھوں پوری ہوئی، جی ہاں! محمد الفاتح، جو قسطنطنیہ کی فتح کے وقت اکیس سال سے زیادہ عمر کے نہیں تھے اور جن کی پرورش اسلام کے اصولوں پر ہوئی تھی۔ ان کے والد، سلطان مراد دوئم نے ان کی پرورش کی جبکہ محمد فاتح کے اساتذہ اپنے وقت کی بہترین استاد تھے، جن میں احمد بن اسماعیل الکورانی بھی شامل تھے جن کے متعلق سیوطی نے بیان کیا کہ وہ محمد الفاتح کے پہلے استاد تھے اور کہا "وہ ایک فقیہ عالم تھے، ان کے دور کے علماء نے ان کی قابلیت اور فوقیت کی گواہی دی ہے بلکہ وہ انہیں 'اپنے زمانے کا ابو حنیفہ' کہتے تھے"۔ اسی طرح سے شیخ شمس الدین سنقر وہ استاد تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قسطنطنیہ والی حدیث بچپن سے ہی محمد الفاتح کے ذہن میں بٹھانا شروع کی تھی۔ تو یوں یہ بچہ اس طرح سے پلا بڑھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنا اس کا ہدف بن گیا۔ شیخ شمس الدین سنقر نے محمد الفاتح کو قرآن ، حدیث ، سنت، فقہ اور عربی، فارسی اور ترک زبانیں سکھائیں۔ محمد الفاتح نے شیخ شمس الدین سنقر سے ریاضی، فلکیات، تاریخ کے مضامین بھی پڑھے۔ اس کے علاوہ محمد الفاتح کو گھڑ سواری اور فنِ حرب سیکھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ ان نوجوانوں میں مغل سلطان اورنگ زیب بھی شامل تھے جن کی نشو نما اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ یقیناً اس عظیم مسلم قائد کی نشو نما اس طرح کی گئی کہ اوائل عمری میں ہی ان میں موجود خصوصی صلاحیتیں واضح ہوگئیں۔ چھوٹی عمر میں ہی دین سے محبت، فضول باتوں اور کاموں سے دوری اور ذہانت کے آثار اورنگ زیب میں نظر آنے لگے تھے۔ ان کی نشو نما ایک خالص اسلامی ماحول میں ہوئی تھی جو کفر و گناہ کی آلودگی سے پاک تھے۔ ان کی تربیت امام محمد معصوم سرہندی نے کی جو شیخ سرہندی کے بیٹے تھے۔ اورنگ زیب نے قرآن سیکھا اور اس میں موجود خیر کو سمجھا۔ انہوں نے حنفی فقہ سیکھی اور اس میں بہت ترقی کی۔ وہ ایک بہت اچھے مصنف و شاعر بھی تھے اور انہیں شاعری سے بہت لگاؤ تھی۔ انہوں نے گھڑ سواری اور فوجی فنون میں بھی مہارت حاصل کی۔ انہوں نے عربی، فارسی اور ترک زبانیں سیکھیں۔ چالیس سال کی عمر میں وہ حکمران بن گئے اور اس کے بعد وہ 52 سال تک جہاد میں مصروف رہے، یہاں تک کہ پورے برصغیر ہند پر یعنی ہمالیہ کے پہاڑوں سے لے کر بحر ہند تک، اور موجودہ بنگلا دیش سے لے کر موجودہ ایران کی سرحد تک اسلام کا غلبہ ہوگیا۔ ان کی اسلامی حکومت میں مسلمانوں نے تیس سے زائد اہم جنگیں لڑیں جس میں سے گیارہ کی قیادت خود اورنگ زیب نے کی تھی۔

ٹیپو سلطان نومبر 1750 عیسوی میں پیدا ہوئے اور 4 مئی 1799 کو شہادت کا مقام حاصل کیا۔ ٹیپو میسور کے حکمران تھے اور وہ "شیر میسور" کے نام سے مشہور

بقیہ صفحہ 3 پر

سرمایہ دارانہ نظام نے ہم پر مسلط کر رکھا ہے کہ ہم کورونا وائرس کی بیماری یا لاک ڈاؤن سے پیدا ہونے والی فاقہ کشی میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے حکمران اسلام کی بجائے اسی نظام کے نفاذ پر اصرار کر رہے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ صنعتوں کو چلتا رکھنے کی رعایت کے باوجود، کورونا وائرس (Covid-19) کے پھیلاؤ کے پیشِ نظر قومی سطح پر مکمل لاک ڈاؤن، پاکستان کے عوام پر بذاتِ خود ایک بھاری بوجھ بن گیا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دو ہی حل ہیں؛ لاک ڈاؤن کے ذریعے بھوک برداشت کریں یا وائرس کے پھیلاؤ کی صورت میں بیماری کا سامنا کریں۔ تاہم ایک طرف پاکستان کے مسلمان اس وائرس کے تیز پھیلاؤ کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں اور دوسری طرف وہ بڑھتی غربت، مشکلات، کاروبار کی تباہی، کارخانوں کی بندش اور بے روزگاری کا سامنا بھی کر رہے ہیں۔

یقیناً بھوک اور وائرس میں سے کسی ایک کا انتخاب ایک عالمی مخمصہ بن گیا ہے۔ مغربی ممالک قومی لاک ڈاؤن کے مکمل یا جزوی خاتمے کے دباؤ کا سامنا کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کی معاشی مشکلات کو کم کیا جا سکے۔ دنیا بھر میں لاک ڈاؤن نے معیشت کے کئی بڑے شعبوں کو مکمل طور پر بند کر دیا ہے جس کے نتیجے میں کروڑوں لوگ بے روزگار ہو گئے ہیں اور کھربوں ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس صورتحال نے ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کو مجبور کیا کہ وہ گرتی معیشتوں کو سہارا دینے کے لیے بہت بڑے بیل آوٹ پیکجز کا اعلان کریں۔ دوسری جانب دنیا بھر میں کورونا وائرس سے متاثر معلوم افراد کی تعداد تقریباً 20 لاکھ تک پہنچ گئی ہے جبکہ اموات ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی ہیں۔ اس صورتحال نے دنیا بھر کو خوف اور افراتفری میں مبتلا کر رکھا ہے۔

پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام پر اعتماد متزلزل ہو گیا ہے کہ آیا یہ نظامِ حیات (آئیڈیالوجی) انسانوں کے معاملات کی بہتر دیکھ بھال کر سکتا ہے؟ حتیٰ کہ مغربی سرمایہ دارانہ ممالک میں بھی لوگ، بھوک اور بیماری سے تحفظ فراہم کرنے میں سرمایہ دارانہ ریاستوں کی ناکامی پر بِل کر رہ گئے ہیں۔

جبکہ وبائی امراض کے حوالے سے اسلام نے واضح رہنمائی فراہم کی ہے جس سے طبی اور معاشی دونوں نقصانوں کو بڑی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ اور اسلام کے اصولوں کی پاسداری مکمل قومی لاک ڈاؤن جیسے انتہائی اقدام کے بغیر ہی بیماری کے پھیلاؤ پر قابو پانے کو ممکن بناتی ہے۔

اسلام یہ لازم قرار دیتا ہے کہ جہاں سے وباء کا آغاز ہو، فوراً اس علاقے کو قرنطینہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا "جب تم سن لو کہ کسی جگہ طاعون کی وبا پھیل گئی ہے تو وہاں مت جاؤ لیکن جب کسی جگہ یہ وبا پھوٹ پڑے اور تم وہیں موجود ہو تو اس جگہ سے نکلو بھی مت "**(بخاری)۔ قرنطینہ کرنے میں ناکامی یقیناً بہت نقصان کا موجب ہے۔ اس بیماری کے پھیلاؤ کو چھپانے کے لیے چین نے ابتدا میں بیماری کے مرکز ووہان کو قرنطینہ نہیں کیا تھا جس کے نتیجے میں یہ وائرس چین کے دیگر علاقوں میں اور بین الاقوامی پروازوں کے ذریعے کئی ممالک میں پھیل گیا، جس میں ایران بھی شامل تھا، جہاں سے پھر یہ پاکستان پہنچ گیا۔ پاکستان کے معاملے میں مقامی سطح پر اس بیماری کا پھیلاؤ بلوچستان کے علاقے تفتان سے شروع ہوا جو ایران کی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں ایران کے شہر قُم کا دورہ کرنے والے زائرین کے لیے ایک سرحدی چوکی قائم ہے۔ قم شہر میں چائنیز ریلوے کارپوریشن کے چینی شہری موجود تھے اور وہاں سے ہی یہ وائرس ایرانی اور پاکستانی زائرین میں منتقل ہوا۔ پاکستان کی حکومت نے اس علاقے کو سختی سے قرنطینہ نہیں کیا، اور متاثرہ افراد کو وقت سے پہلے وہاں سے جانے کی اجازت دے دی گئی جس کی وجہ سے بیماری ملک کے چاروں کونوں میں پھیل گئی۔

دنیا بھر میں سرمایہ دار ممالک نے بھی قرنطینہ کے اصول پر سختی سے عمل نہیں کیا اور اس وجہ سے ان ممالک میں بڑی تعداد میں لوگ تیزی سے اس وائرس سے متاثر ہوئے، اور بیماری اور موت کا شکار ہونے لگے۔ جب چین نے کورونا وائرس کے پھیلاؤ کا دنیا کے سامنے اعلان کر دیا تو اس کے بعد بھی چین سے چار لاکھ تیس ہزار لوگوں نے امریکا کا سفر کیا جس میں چین کے علاقے وُوہان سے آنے والے لوگ بھی شامل تھے۔ امریکا میں اِس وقت کورونا وائرس سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ اموات واقع ہو چکی ہیں، جہاں 14 اپریل 2020 تک 603694 افراد میں بیماری کی تصدیق ہو چکی ہے اور کم از کم 25000 افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔

اسلام نے چھوتی امراض کے حوالے سے یہ رہنمائی فراہم کی ہے کہ بیماروں کو صحت مند افراد سے علیحدہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لاَ تُورِدُوا الْمُمْرِضَ عَلَى الْمُصِحِّ **"بیمار کو تندرست کے ساتھ مت رکھو"**(بخاری)۔ چھوتی امراض میں مبتلا بیماروں کو صحت مند افراد سے الگ رکھنا ضروری ہے یا ان کے درمیان کوئی رکاوٹ موجود ہونی چاہیے، یا دونوں صورتیں اختیار کی جائیں۔ ریاست پر لازم ہے کہ وہ ہسپتالوں اور آئیسولیشن سینٹرز میں بیماروں کو مکمل طور پر علیحدہ رکھنے کا بندوبست کرے اور گھروں میں بیمار کو موثر انداز میں علیحدہ رکھنے میں مدد فراہم کرے۔ پس ریاست ان تمام لوگوں کو ذاتی تحفظ کا سامان (PPE) فراہم کرے جو کسی بھی جگہ پر اس وائرس سے متاثرہ افراد کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ پاکستان کے حکمرانوں نے اس معاملے میں غفلت کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے یہ وائرس کئی رہائشی علاقوں میں پھیل گیا اور میڈیکل عملے کے لوگوں میں بھی منتقل ہو گیا۔ دنیا بھر میں سرمایہ دار ممالک بیماروں کو صحت مندوں سے موثر انداز میں الگ تھلگ کرنے میں ناکام رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ بیماری تیزی کے ساتھ مختلف شہروں میں اور ہسپتالوں کے عملے میں بھی پھیل گئی، نتیجتاً میڈیکل عملے کے کئی افراد کی جانیں جا چکی ہیں۔ اسلام نے اُن افراد کے حوالے سے بھی رہنمائی فراہم کی ہے جن کے جسم میں یہ وائرس موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے اثرات اُن پر ظاہر نہیں ہوتے، جنہیں خاموش کیریئر (silent carriers) کہتے ہیں اور جن کے بڑی تعداد میں موجود ہونے کی وجہ سے وباء غیر محسوس طریقے سے دیگر لوگوں میں پھیل جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَلاَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ **"تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اس سے اس کے زیر نگرانی لوگوں کے متعلق سوال ہو گا، اور حکمران عوام الناس پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہو گا"**(بخاری و مسلم)۔ پس ریاست کو چاہئے کہ وہ وائرس کی موجودگی معلوم کرنے کیلئے بہت بڑے پیمانے پر لوگوں کے ٹیسٹ کرے جو پاکستان جیسی آبادی والے ملک میں دسیوں لاکھ کی تعداد میں ہوں، تا کہ خاموش کیریئرز کی بروقت نشاندہی ہو سکے، جس کے بعد ریاست ان افراد کو الگ تھلگ کرے جن میں وائرس کی موجودگی پائی جائے اور ان سے ملاقات کرنے والے افراد تک پہنچ کر ان کی بھی سکریننگ کی جائے، اور ان لوگوں پر خصوصی توجہ دی جائے جن کی قوتِ مدافعت کمزور ہے جیسا کہ بزرگ یا وہ جنہیں مخصوص قسم کی بیماریاں لاحق ہیں جیسا کہ دمہ یا شوگر وغیرہ۔ ریاست کو چاہئے کہ اس بیماری کے پھیلاؤ کو محدود کرنے کے لیے ماسک اور وائرس کُش صفائی کا سامان مہیا کرے۔ اور ریاست کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے لیے معلومات کی فراہمی اور تربیت کا اہتمام کرے تا کہ وہ بقدرِ ضرورت ایک دوسرے سے مخصوص فاصلہ رکھیں تا کہ بیماری کو پھیلنے سے روکا جائے۔ نہ کہ ریاست کی ترغیب موت کے خوف کی فضاء پیدا کرنے اور ڈنڈے کے زور پر لوگوں کو روکنے کے ذریعے ہو۔ اس طرح اسلام پر عمل درآمد ریاست کے لئے اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ شروعات سے ہی وباء کو ممکن حد تک محدود کیا جائے اور وباء کے بڑھنے کی صورت میں اس پر قابو پایا جائے تا کہ ملک مسئلے میں گھِر کر بے بس ہونے سے بچ سکے اس حد تک کہ پورے ملک کو ہی لاک ڈاؤن کر دیا جائے جیسا کہ بہت سے سرمایہ دار ممالک نے کیا جس میں امریکا بھی شامل ہے۔ یقیناً مکمل لاک ڈاؤن کے نتیجے میں بدترین بھوک کی جو صورتحال پیدا ہوتی ہے، وہ وائرس سے پیدا ہونے والے

مسائل میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا اسلام کے احکامات کی پابندی اس امر کو یقینی بناتی ہے کہ زندگی کے معاملات چلتے رہیں اور مسلمانوں احتیاطی تدابیر کے ساتھ اپنے تمام اسلامی فرائض کی تکمیل کریں، جیسا کہ حصولِ رزق کیلئے دوڑ دھوپ کرنا، حصول علم اور مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا۔

جہاں تک اس قسم کے وبائی مرض کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے درکار وسائل کی بات ہے تو اس پہلو سے اسلام انسانوں کے بنائے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام سے بہت اعلیٰ وبرتر ہے جو اس وقت دنیا پر غالب ہے۔ یقیناً کورونا وائرس (Covid-19) کے پھیلاؤ نے سرمایہ دارانہ معیشت کے عیب، کمزوری اور ناپائیداری کو بے نقاب کر دیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں پورے ملک کی دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہوگئی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کے باعث مغربی سرمایہ دار ممالک بھی اپنی عوام کی دیکھ بھال کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں، جبکہ پاکستان تو اس معاملے میں مغربی ممالک سے بھی ابتر اور خستہ حال ہے۔ یقیناً سرمایہ داریت انسانیت کیلئے ایک بوجھ ہے جو لوگوں کو اس امر پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ وائرس یا بھوک میں سے کسی ایک کو گلے لگالیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ **"اور دولت تمہارے امیروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے"**(الحشر 59:7)۔ اسلام معاشی بڑھوتری کے سرمایہ دارانہ ماڈل کو مسترد کرتا ہے جو صرف پیداوار بڑھانے پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اسلام کا معاشی ماڈل دولت کی تقسیم پر توجہ دیتا ہے اور معاشرے میں دولت کی گردش کو یقینی بناتا ہے۔

لہٰذا اسلام صحت جیسے ناگزیر امور پر خرچ کرنے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ اسلام میں ریاست معیشت کے اُن شعبوں میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے جہاں بہت زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس میں نفع بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عنان، ابدان اور مضاربہ کمپنی ڈھانچوں کی اجازت دی ہے، اور اسلام نے سرمایہ دارانہ کمپنی ماڈل کو حرام قرار دیا ہے، جس کے نتیجے میں نجی شعبے کو سرمائے کی دستیابی خود بخود محدود ہو جاتی ہے، اور بڑے حجم اور بے پناہ منافع کی حامل صنعتوں اور کارخانوں کا مالک بننے کی صلاحیت محدود ہو جاتی ہے، کہ جنہیں بحران کی صورت میں سرمایہ دار ریاستوں کی جانب سے بڑے بڑے بیل آوٹ پیکج دیے جاتے ہیں۔ اسلام اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ توانائی اور معدنیات کے شعبے سے حاصل ہونے والے محاصل تمام عوام پر خرچ ہوں بجائے یہ کہ چند لوگ نجکاری کے ذریعے ان وسائل کے مالک بن کر دولت کے انبار جمع کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت نے لازم قرار دیا ہے کہ توانائی اور معدنیات کے ذخائر عوامی ملکیت ہیں اور ان سے حاصل ہونے والا فائدہ عوام اور عوامی امور کے لیے ہے۔ اسلام سودی قرضوں کو بھی مسترد کرتا ہے چاہے یہ غیر ملکی قرضے کی شکل میں ہو یا مقامی ٹریژ ری بانڈز (ٹی بلز) کی صورت میں ہوں۔ سودی لین دین کا یہ عظیم گناہ ہی پوری دنیا اور پاکستان میں قومی قرضوں کی اصل بنیاد ہے، اور پاکستان جیسے ممالک کے بجٹ کا بڑا حصہ قرضوں اور اس کے سود کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے جبکہ عوامی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔

لہٰذا اگر ریاست اپنے وسائل سودی قرضوں کی واپسی پر ضائع نہ کرے تو وہ اس قابل ہے کہ وہ عام دنوں یا بحرانی حالت میں لوگوں کی متعلق اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکے۔ یقیناً اسلام نے انسانیت کو بیماری یا بھوک میں سے کسی ایک آپشن کو اختیار کرنے کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا کیونکہ ریاست پر فرض ہے کہ وہ بیماری اور بھوک دونوں کے لیے مناسب بندوبست کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی بابرکت سنت صحت کی سہولیات اور بنیادی ضروریات دونوں کی فراہمی کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ، مُعَافًى فِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا **"تم میں سے جو اپنے دن کا آغاز اس حال میں کرے کہ اس کا راستہ محفوظ ہے اور اس کا جسم تندرست ہے اور اس کے پاس دن کا کھانا موجود ہے تو گویا اس کے پاس دنیا بھر کی دولت ہے"(ترمذی)۔**

جہاں تک ایک مضبوط شعبۂ صحت کی موجودگی کا تعلق ہے کہ جس میں بحرانی صورت سے نبٹنے کی

اضافی گنجائش موجود ہو، تو کورونا وائرس کی وباء (Covid-19) نے سرمایہ دارانہ ہیلتھ سسٹم کی کمزوراور نازک صورتحال کو بے نقاب کر دیا ہے۔ سرمایہ داریت نے سرکاری و نجی شعبہ صحت دونوں کو محدود کر رکھا ہے کیونکہ صحت جیسا عوامی شعبہ بھی اس تصور پر استوار ہے کہ منافع زیادہ سے زیادہ جبکہ نقصان کا اندیشہ صفر ہو۔ لیکن اسلام ریاست کو ایک نگہبان کا درجہ دیتا ہے اور اس بنا پر ریاست کے لیے لازم کرتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو صحت کی بہترین سہولیات عام اور ہنگامی ،دونوں حالتوں میں فراہم کرے۔ مسلم نے جابرؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے بیان کیا: **بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه و سلم إِلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ طَبِيبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ " رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعبؓ کے پاس ایک طبیب بھیجا تو اس نے ان کی ایک رَگ کاٹی پھر اسے داغ دیا "**۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حکمران کی حیثیت سے ابی بن کعبؓ کے پاس ایک ڈاکٹر یا طبیب کو بھیجا جو اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور طبی شعبہ شہریوں کی ضروریات میں سے ہے اور ریاست پر لازم ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ صحت کی سہولیات ہر اس شخص کے لیے مفت اور فوری دستیاب ہوں جسے ان کی ضرورت ہے۔

لہٰذا اسلام میں ریاست پر لازم ہے کہ وہ طبی آلات کی وافر تعداد مقامی سطح پر تیار کرے، جس میں وینٹی لیٹرز اور ذاتی تحفظ کا سامان(PPE) بھی شامل ہے۔ ریاست پر لازم ہے کہ وہ تحقیقی ادارے قائم کرے تا کہ انفیکشن کے خلاف عوام کی قوت مدافعت کو بڑھانے کے لیے تمام ممکنہ چیزوں کو جانچا جاسکے خواہ اس کا تعلق خوراک سے ہو یا مختلف نوعیت کی ورزشوں سے یا ہر قسم کی ادویات سے جس میں جڑی بوٹیاں اور وٹامن سپلی منٹس بھی شامل ہیں۔ ریاست ان امکانات پر بھی غور کرے جن کے ذریعے مخصوص متعدی امراض کے خلاف آبادی میں مجموعی قوت مدافعت(herd immunity) پیدا کی جاسکتی ہو اور اس بات کی تحقیق بھی کہ مختلف ویکسین کتنی مؤثر اور محفوظ ہیں۔

اسلام نے نہ صرف صحت کو پہنچنے والے نقصان کو محدود کرنے اور متعدی امراض کے پھیلاؤ کی وجہ سے پیدا ہونے والی معاشی مشکلات کا ازالہ کرنے کے متعلق رہنمائی فراہم کی ہے بلکہ اسلام نے اس حوالے سے بھی رہنمائی فراہم کی ہے کہ وبائی مرض سے ہونے والی اموات کو کس انداز سے دیکھنا چاہئے۔ بخاری نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ آپؓ نے فرمایا، "میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے بتایا: **أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَأَنَّ اللَّهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِراً مُحْتَسِباً يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ " یہ ایک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مومنین کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ اگر کسی شخص کی بستی میں طاعون پھیل جائے اور وہ شخص صبر کے ساتھ اللہ کی رحمت سے امید لگائے وہیں ٹھہرا رہے، یہ جانتے ہوئے کہ ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ رکھا ہے تو اسے شہید کے برابر ثواب ملے گا "**۔ لہٰذا خوف یا گھبراہٹ و افراتفری میں مبتلا ہونے کی بجائے مسلمان اس آزمائش کا سامنا صبر سے کر رہے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ یہ ان کے لیے اجر کا باعث ہو گا، اور وہ اللہ مالکِ کائنات سے دعائیں کر رہے ہیں کہ اس مشکل سے نجات میں اللہ کی ذات ان کی مدد فرمائے۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور بالخصوص اے افواجِ پاکستان میں موجود امت کے عظیم بیٹو! اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پوری انسانیت کے سامنے انسانوں کے بنائے سرمایہ داری نظام کے جھوٹ اور ناکامی کو اپنی چھوٹی ترین مخلوق کے ذریعے بے نقاب کر دیا ہے، خواہ یہ مشرق میں چین ہو یا مغرب میں امریکا ہو۔ آج حالات ساز گار ہیں کہ امتِ مسلمہ ،جسے انسانیت میں بہترین امت کے طور پر اٹھایا گیا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کو نافذ کر کے انسانیت کو رہنمائی فراہم کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **اَلْإِسْلَامِ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى "اسلام غالب آتا ہے ، مغلوب نہیں ہوتا"**(دار قطنی)۔ یقیناً ہمارا عظیم دین، جو دینِ حق

ہے، انسانوں کے بنائے ہوئے تمام تر نظاموں سے اعلیٰ وبرتر ہے ، اِس سرمایہ داریت (Capitalism) سے بھی کہ جس کے دن گِنے جاچکے ہیں۔ اسلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور یہ ہر انسانی مسئلے کے متعلق بہتر رہنمائی اور وضاحت فراہم کرتا ہے۔ دنیا نے عملی طور پر سرمایہ داریت کی ناکامی کا مشاہدہ کرلیا ہے یہاں تک کہ امریکہ سمیت وہ مغربی ممالک کہ جو اس کے علَم بردار ہیں، وہاں بھی اس کی ناکامی عیاں ہو چکی ہے۔ آج دنیا نبوت کے نقش قدم پر خلافت کی شکل میں، اسلام کے نفاذ کا مشاہدہ کرنے کے لیے، پہلے سے کہیں زیادہ تیار ہے۔

لیکن پاکستان کے حکمران اسلام کو نافذ کرنے کی بجائے اپنے مغربی اتحادیوں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں اس بات پر غور کیے بغیر کہ اللہ کے نقائص سے پاک مضبوط قوانین کے مقابلے میں انسانوں کے بنائے نظام کس قدر بودے اور ناقص ہیں ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ **" جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے اُن کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے، کاش یہ (اس بات کو) جانتے "**(العنکبوت 29:41)۔ فکری طور پر دیوالیہ یہ حکمران سرمایہ داریت کے کفریہ نظام کے قوانین، اقدار اور پالیسیوں کی اندھادُھند پیروی کر رہے ہیں اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے کہ، لَتَتَّبِعُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بَاعًا بِبَاعٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ وَشِبْرًا بِشِبْرٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا فِي جُحْرِ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمْ فِيهِ **" تم پہلی امتوں کے نقش قدم پر چلو گے، ہاتھ کے برابر ہاتھ ،بازو کے برابر بازو اور بالشت کے برابر بالشت، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بِل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے "**، لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، فَمَنْ إِذًا : **"تو اس کے علاوہ اور کون ؟ "**(ابن ماجہ)۔ پاکستان کے حکمرانوں سے اس بات کی کوئی امید نہیں کہ وہ آج کے اس ضرورت کے وقت میں اسلام کے مطابق امت کی رہنمائی اور قیادت کریں یا انسانیت کے سامنے اسلام کی روشن مثال کو پیش کریں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ رمضان کے بے بہا برکتوں والے مہینے میں ہم سب نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کی زبردست کوشش کریں، عام لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس کی پکار بلند کریں اور پاکستان کی افواج میں موجود مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس کے فوری قیام کے لیے حزب التحریر کو نُصرۃ فراہم کریں۔ آئیں کہ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد کریں، اس ذات کی طرف سے کامیابی کی عطا کو تلاش کریں تا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کی برتری تمام انسانیت پر عملی طور پر واضح ہوجائے، جس کے نتیجے میں انسانیت جوق در جوق اسلام میں داخل ہو، جیسا کہ رمضان کے مہینے میں فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ - وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا - فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا **"جب اللہ کی مدد آن پہنچی اور فتح حاصل ہوگئی، اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے "**(النصر، 3-1)۔

حزب التحریر

ولایہ پاکستان

22 شعبان 1441 ہجری

15 اپریل 2020ء

ختم شد

آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سچے مسلمان کو مضبوط قوت ارادی اور بلند عزم والا ہونا چاہیے، وہ زندگی کے نشیب و فراز کا سامنا ایمان سے نشو ونما پانے والی بہادری و شجاعت سے کرے، اور خواہ تنگی ہو یا کشادگی ہر حال میں اللہ کی مدد پر راسخ اور کامل یقین کے ساتھ جیتا رہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں شجاعت و بہادری کی بہترین مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ آپ ﷺ بلاشبہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر تھے اور سب سے زیادہ بلند عزم والے اور باہمت تھے۔

ہم یہاں آپ ﷺ کی دلیری و بہادری اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کا ساتھ دینے کی ایک مثال پیش کریں گے، ظالم بھی ایسا ظالم جو رسول اللہ ﷺ اور اللہ کے دین کا سخت ترین دشمن تھا۔ یہ واقعہ مکہ سے ہجرت فرمانے سے قبل کا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان کی قوم کی عداوت اور ایذا رسانی انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ اس ظالم (ابوجہل) کو اپنی قوم میں قوت و طاقت حاصل تھی۔ اس حد تک کہ کوئی اجنبی شخص بھی اس کے ظلم سے بچ نہیں پاتا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

قبیلہ اِراش کا ایک آدمی تجارت کی غرض سے کچھ اونٹوں کے ساتھ مکہ آیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ابوجہل نے وہ سارے اونٹ اس سے خرید لیے، پھر قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا رہا، تا آنکہ وہ آدمی اپنی فریاد لوگوں کے پاس لے کر گیا اور اس ظلم سے بچنے کے لیے ان سے مدد مانگی، مگر کوئی ایسا شخص اسے نہ ملا جو اس کی دادرسی کر سکے۔ قریش کی ایک جماعت نے اسے مشورہ دیا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس جانا چاہیے وہ تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔ یہ فقط ان کا ایک مذاق تھا، کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ اور ابوجہل کے درمیان دشمنی کا پتہ تھا، چنانچہ وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا کہ اے عبد اللہ، ابوالحکم بن ہشام نے میرا حق غصب کر لیا ہے، میں ایک اجنبی آدمی ہوں، مسافر ہوں، میں نے لوگوں کے پاس جا کر کسی ایسے آدمی کا پوچھا جو مجھے میرا حق دلوائے، تو انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ،تو آپ مجھے میرا حق اس سے دِلا دیجیے، اللہ آپ پر مہربانی فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ قریش کے لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ اس آدمی کے ساتھ ہو گئے ہیں، تو اپنے ایک آدمی سے کہا، ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ چلتے ہوئے ابوجہل کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ابوجہل نے پوچھا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «محمَّد، فاخرج إليّ» میں محمد ہوں، باہر نکلو۔ ابوجہل باہر نکلا جبکہ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا، آپ ﷺ نے کہا: «أعط هذا الرَّجل حقَّه» "اس آدمی کو اس کا حق دو۔ ابوجہل نے کہا: ٹھیک ہے، آپ یہیں کھڑے رہیں میں اس کا حق دیتا ہوں۔ ابوجہل گھر گیا اور اس کا حق (اونٹوں کی قیمت) لے کر آیا اور اس آدمی کو دیدیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ وہاں سے لوٹ آئے اور اِراشی آدمی سے کہا: «اِلْحَقْ بشأنك» "اب تم سکون سے اپنا کام کر سکتے ہو۔ وہ اِراشی آپ ﷺ کے پاس سے چلا آیا اور جب وہ قریش کے لوگوں کے پاس پہنچا تو ان کے پاس رک کر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ اسے (محمد ﷺ کو) اچھا بدلہ دے، اللہ کی قسم! اس نے میرا حق اس (ابوجہل) سے لے کر دیا... الخ (سیرۃ ابن ہشام 839/1)

میدانِ جنگ میں آپ ﷺ کی بہادری اور دلیری کے متعلق علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں: «كنَّا إذا احْمَرَّ البأسُ، ولقيَ القومُ القومَ، اتَّقينا برسولِ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ، فما يَكونُ منَّا أحدٌ أدنى مِنَ القومِ منهُ»: "جب جنگ گرم ہو جاتی اور مقابل لشکر گتھم گتھا ہو جاتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے، ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ سے زیادہ مقابل لشکر کے قریب نہیں ہوتا تھا"۔ (مسند أحمد: 2/343) مشہور یہ ہے کہ لشکر اپنے قائد کی زندگی کی حفاظت کے لیے اس کے ارد گرد گھیرا ڈالے ہوئے رہتا ہے، لشکر اپنے قائد کے ذریعے اپنا تحفظ نہیں کرتا، لیکن مصطفیٰ ﷺ کی شجاعت کے کیا کہنے، آپ ﷺ اپنی بہادری کی وجہ سے دشمن کے قریب رہتے تھے۔

آپ ﷺ کی شجاعت کی ایک اور مثال یہ روایت ہے کہ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: آپ تمام لوگوں میں سب سے اچھے تھے، سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے، سب سے زیادہ بہادر تھے، ایک رات ایسا ہوا کہ مدینہ والوں کو ایک آواز سنائی دی جس کی وجہ سے وہ خوف سے لرز اٹھے، چنانچہ وہ اس آواز کی سمت میں چلے تو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو گئی، آپ ﷺ ان سے پہلے اس آواز کی طرف جا رہے تھے، آپ ﷺ ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے پر کوئی زین وغیرہ نہیں تھی۔ آپ ﷺ کی گردن

میں تلوار تھی، آپ فرماتے جارہے تھے،**«يا أيُّها النَّاسُ لَن تُراعوا»**" اے لوگو! مت ڈرو۔" اور لوگوں کو واپس جانے کا کہہ رہے تھے، پھر اس گھوڑے کے متعلق فرمایا کہ" اسے ہم نے دریا پایا" یا فرمایا کہ" یہ گھوڑا تو دریا ہے۔" (صحیح ابنِ ماجہ 2254) ۔تو ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے معاملات کی خبر گیری کی اور قوم کی گھبراہٹ کو کم کیا، انہیں سکون اختیار کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ انہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔

ایک اور واقعہ جس میں آپ ﷺ کی بہادری کی ایک نہایت روشن مثال سامنے آتی ہے یہ ہے کہ ایک مرتبہ نجد کے اطراف میں ایک غزوہ میں آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تھے، آپ ﷺ ایک وادی میں پہنچے جس میں بہت زیادہ درخت تھے، آپ ﷺ ایک درخت کے سائے میں اترے اور اپنی تلوار اس کی ایک شاخ کے ساتھ لٹکادی۔ تمام لوگ پھیل گئے تاکہ درختوں کا سایہ حاصل کر سکیں۔ اچانک ایک بدو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس چھپ کر آیا، جبکہ آپ ﷺ درخت کے نیچے استراحت فرما رہے تھے۔ اس آدمی نے آپ ﷺ کی تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو وہ آدمی اپنے ہاتھ میں تلوار لیے آپ ﷺ کے سامنے کھڑا نظر آیا۔ رسول اللہ ﷺ بالکل نہتے تھے، صحابہ کرام سب وادی میں منتشر ہوگئے تھے۔ اور کسی کو اس صورتحال کا پتہ نہیں تھا۔ وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا اور یہ خیال کیا کہ اس نے اپنی مراد پالی ہے۔ کیونکہ اس کی نظر میں ایک نہتے سوئے ہوئے شخص اور مسلح آدمی کے درمیان کوئی برابری نہیں تھی۔ پس اس آدمی نے کہا: اے محمد! اب تجھے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ذرا سا خوف بھی محسوس نہیں کیا، آپ ﷺ پر گھبراہٹ اور ڈر کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے اور صرف اتنا کہا کہ: **اللہ**۔ اس آدمی کو اس جواب سے گویا ایک دھچکا سا لگا اور اس نے دوبارہ سوال کیا: کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے اس وقت ایسی ثابت قدمی دکھائی جہاں بہت سوں کی زبانیں ڈر کے مارے لڑکھڑا جاتی ہیں، اور پوری دلیری اور اعتماد کے ساتھ جواب دیا: **اللہ**!! چونکہ آپ ﷺ کی شجاعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اور اس کی ذات کے ساتھ لگاؤ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس دیہاتی پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ کانپنے لگ گیا اور اسے معلوم ہوا کہ وہ کسی عام انسان کے سامنے نہیں کھڑا ہے ، اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپ ﷺ نے اطمینان سے تلوار اٹھائی اور اس سے کہا: تو بتا، اب تجھے کون بچائے گا؟ اس اعرابی شخص نے کہا: اگر میں بہترین پکڑنے والا ہوتا (یعنی خود)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا: نہیں مگر میرا آپ سے وعدہ ہے کہ نہ میں آپ سے لڑوں گا اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑیں۔ آپ ﷺ نے اسے جانے دیا۔ اس آدمی نے اپنے ساتھیوں کے پاس جاکر کہا کہ: میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو تمام لوگوں میں سب سے اچھا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آدمی مسلمان ہو کر اپنی قوم میں واپس آیا اور بہت زیادہ لوگ اس کے ہاتھ پر ہدایت پاگئے۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کو شجاعت کی ترغیب دی ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی کا ذریعہ بتلایا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **«ثلاثة يُحبُّهم الله - عز وجلَّ - وذَكر منهم: ورجل كان في سريَّة، فَلقوا العدوَّ، فهُزِموا، فأقبَل بصدره؛ حتى يُقتلَ، أو يَفتحَ الله له»** رواه النسائي وأحمد. تین قسم کے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، ان میں اس آدمی کا بھی ذکر کیا جو کسی جنگ میں جائے اور دشمن سے مڈ بھیڑ ہو جائے ، پھر اس کے لشکر والوں کو شکست ہو جائے اور وہ پس پائی اختیار کر لیں مگر وہ آدمی دشمن کی طرف واپس لوٹ کر آئے اور لڑتا رہے یہاں تک کہ شہید ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اسے فتح سے نواز دے (نسائی، احمد)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہادری کو ایک دن بھی ذاتی انتقام کے لیے استعمال نہیں کیا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھی۔ اسی بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:((**ما ضرب رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ شيئًا قطُّ بيدِه، ولا امرأةً، ولا خادمًا، إلا أن يجاهدَ في سبيلِ اللهِ، وما نِيلَ منهُ شيءٌ قطُّ فينتقمُ من صاحبِه، إلا أن يُنتهك شيءٌ من محارمِ اللهِ فينتقمُ للهِ عزَّ وجلَّ**)) "رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی چیز کو، اپنی کسی بیوی کو اور نہ ہی خادم کو ہاتھ سے مارا، البتہ آپ ﷺ اللہ کی راستے میں جہاد کرتے (جس میں یقیناً دشمن کو مارتے تھے) ۔اور ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کو کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہو اور آپ ﷺ نے تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ لیا ہو۔ ہاں اگر اللہ کی حرمت والی چیزوں میں سے کسی چیز کی ہتک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے (یعنی مرتکبِ حرام کو سزا دیتے)"(مسلم)۔

الوعی میگزین شمارہ399

ختم شد

خلیفہ کی طرف سے فوج کی قیادت کرنے کا مفہوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلافت اسلام کے شرعی قوانین کو نافذ کرنے اور دنیا تک اسلام کی دعوت کو پہنچانے کیلئے مسلمانوں کی عمومی قیادت کا نام ہے۔ لہٰذا شریعت کا نفاذ اور اسلامی دعوت کو دنیا تک لے جانا وہ دو معاملات ہیں جن کیلئے خلافت موجود ہوتی ہے، اس لیے یہ دونوں کام خلافت ہی کی ذمہ داری ہیں، کسی اور کیلئے یہ کام کرنا جائز نہیں اور نہ ہی خلیفہ کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو مقرر کرے جو خلیفہ کی بجائے ان دونوں ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ یہ اس لیے کہ یہ دونوں وہ معاملات ہیں جن پر بیعت دی جاتی ہے اور بیعت کا معاہدہ صرف خلیفہ سے ہی کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ ایسا کام کسی دوسرے کے سپرد کر دے جس کام پر اس نے ذاتی طور پر معاہدہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی معاہدہ کرنے والے شخص جیسے ملازم، ایجنٹ یا شریک وغیرہ کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کام کو کسی دوسرے کو سونپ دیں جس پر انھوں نے معاہدہ کیا۔ جب کسی مخصوص شخص سے خلافت کا معاہدہ کیا جاتا ہے تو اس شخص کے لیے جائز نہیں رہتا کہ وہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو وہ کام سونپے جس پر عقدِ خلافت اس مخصوص شخص کے ساتھ کیا گیا ہے، جو کہ شرعی قوانین کا نفاذ اور دنیا کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے مسلمانوں کی عمومی قیادت ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہوا کہ خلافت کے قیام کا مقصد دعوت کو پہنچانا تھا یعنی خلافت کا وجود اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے تھا۔ اسی لیے دعوت کو پہنچانے کی ذمہ داری صرف خلیفہ ہی کے سر ہے، اگرچہ جہاد ہر مسلمان پر فرض

خلافت اسلام کے شرعی قوانین کو نافذ کرنے اور دنیا تک اسلام کی دعوت کو پہنچانے کیلئے مسلمانوں کی عمومی قیادت کا نام ہے۔ لہٰذا شریعت کا نفاذ اور اسلامی دعوت کو دنیا تک لے جانا وہ دو معاملات ہیں جن کیلئے خلافت موجود ہوتی ہے، اس لیے یہ دونوں کام خلافت ہی کی ذمہ داری ہیں، کسی اور کیلئے یہ کام کرنا جائز نہیں اور نہ ہی خلیفہ کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو مقرر کرے جو خلیفہ کی بجائے ان دونوں ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ یہ اس لیے کہ یہ دونوں وہ معاملات ہیں جن پر بیعت دی جاتی ہے اور بیعت کا معاہدہ صرف خلیفہ سے ہی کیا جاتا ہے۔

ہے اور ہر مسلمان یہ کام کر سکتا ہے۔ دعوت کو پہنچانے کی خاطر خلیفہ کیلئے ایک خاص طریقہ مقرر ہے جو جہاد ہے اور جہاد صرف مجاہدین کی موجودگی میں، لڑنے کی طاقت کی تیاری اور لڑائی کرنے سے قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا فوج کی موجودگی، اس کی تیاری اور جو کام اس سے انجام پاتا ہے، یہ ہی دنیا تک دعوت لے جانے کا طریقہ ہے۔ نتیجتاً یہ خلیفہ ہی ہو گا جو فوج کی قیادت کرے گا کیونکہ وہی ہوتا ہے جو دعوت کو پہنچانے کی نگرانی کرتا ہے، لہٰذا وہی جہاد کی بھی نگرانی کرتا ہے۔ اسی لیے کوئی اور نہیں بلکہ وہ بذاتِ خود فوج کی قیادت کرتا ہے۔ فوج کی قیادت کرنا کا مطلب اس کے انتظامی امور کو دیکھنا، تربیت یا اس طرح کے تکنیکی معاملات دیکھنا نہیں کیونکہ یہ تمام وسائل اور اسلوب ہیں۔ اگرچہ خلیفہ اس کا بھی عمومی نگران ہوتا ہے لیکن وہ یہ کام نہیں کرتا۔ فوج کی نگرانی کا مطلب فوج کی تشکیل، اسے اسلحے سے لیس کرنا اور اس کے کام کی نگرانی کرنا ہے۔ اس لیے کہ جو سپاہی جذبہ جہاد سے سرشار ہے وہی مجاہد ہے اور دشمن کو خوفزدہ کرنے کیلئے طاقت کی تیاری اور لڑائی ہی جہاد کے اعمال ہیں۔ لہٰذا جب اللہ نے جہاد کا حکم دیا تو دراصل انہی اعمال کا حکم دیا اور لڑائی تو بذاتِ خود جہاد ہے۔ اس لیے مجاہدین کی نگرانی، ان کی تربیت اور ان کو لڑائی کے لیے نکالنا صرف خلیفہ ہی کیلئے ہے، کسی اور کیلئے نہیں۔ لہٰذا خلیفہ کی فوج کی قیادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود، نہ کہ کوئی اور، فوج کی تشکیل، اسے اسلحے سے لیس کرنے، اس کی تیاری اور جنگ میں لڑنے کے عمل سے متعلق پالیسی کی نگرانی کرے گا۔ پھر وہ خود ہی اس پالیسی کے نفاذ کا ذمہ دار ہوتا ہے نہ کہ کوئی اور۔ لہٰذا یہ صرف خلیفہ ہی ہوتا ہے جو فوج کے لیے

اندورنی اور بیرونی پالیسی مرتب کرتا ہے اور اندرونی اور بیرونی پہلوؤں سے جنگی پالیسی مرتب کرتا ہے اور کسی دوسرے کیلئے یہ ذمہ داری اٹھانا جائز نہیں۔ اگرچہ اس کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اس پالیسی کو بنانے اور نافذ کرنے میں جس سے چاہے مدد لے لیکن وہ یہ ذمہ داری کسی اور کے سپرد نہیں کر سکتا۔ خلیفہ کی فوجی قیادت کا یہی مطلب ہے۔ خلیفہ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے یہ ذمہ داری اٹھانا کسی بھی طرح جائز نہیں۔

یہاں فوج کے حوالے سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اس کے اس طاقت ہونے کے حوالے سے جو خلیفہ کی طرف سے دعوت پہنچانے کے واحد طریقے کی حیثیت سے جہاد کرتی ہے، اور دوسرا اس طاقت ہونے کے حوالے سے جو اندرونی اور بیرونی طور پر خلافت کی اتھارٹی واقتدار (سلطة) کی حفاظت کرتی ہے۔ جہاں تک اس کے اس طاقت ہونے کا سوال ہے جو خلافت کے دعوت پہنچانے کے طریقے کی حیثیت سے جہاد کرتی ہے، یہ ریاست کی خارجہ پالیسی سے متعلق اور اس میں فوج کے کردار سے متعلق ہے۔ چونکہ خلیفہ کا اسلامی دعوت کو پہنچانا جہاد ہی ہے، اس لیے اسلامی ریاست ہمیشہ حالتِ جہاد میں رہتی ہے۔ نتیجتاً پوری مسلم امت اس پر یقین رکھتی ہے کہ ان کی دیگر ریاستوں سے کسی بھی وقت جنگ ممکن ہے اور ریاستی پالیسی جہاد کی مسلسل تیاری پر مبنی ہونی چاہیے۔ چونکہ عملاً لڑائی اس وقت تک جائز نہیں جب تک پہلے اسلامی دعوت اس انداز میں نہ پیش کی جاچکی ہو جو توجہ حاصل کرلے، لہٰذا اسلامی ریاست کی پالیسی اپنے اور دیگر ریاستوں کے درمیان ایسی صورتحال قائم کرنے کا ہدف رکھتی ہے جو دیگر لوگوں اور اقوام تک اسلام کی دعوت کو توجہ طلب انداز میں پہنچائے اور اس کی بنیاد کسی بھی وقت جنگ کرنے کی تیاری پر رکھے، جب بھی دعوت کو اس کی ضرورت پڑے۔ ایسے حالات کا بن جانا ناگزیر ہے جو اسلامی افکار اور احکامات کی دعوت کو، توجہ طلب انداز میں، پہنچانے کی راہ ہموار کرنے کے لیے درکار ہوں، کیونکہ یہ جہاد کے احکامات میں سے ہے اور جنگ شروع کرنے کی بنیادی شرط ہے۔ لہٰذا خلیفہ کیلئے ایسی صورتحال قائم کرنا واجب ہے اور اس کے قیام کیلئے بھرپور کوشش کرنا بھی لازم ہے۔ اس کے لیے حتی الوسع مال لگانا اور خطرہ مول لینا ضروری ہے جیسے وہ کسی فتح کیلئے یا اسلامی زمین کے دفاع کیلئے یا مسلمانوں کی عزت کے دفاع کیلئے کرتا ہے۔ لہٰذا فوجی طاقت مہیا کرنا، فوج کی تیاری پر توجہ دینا اور فوج کے تمام معاملات کی نگرانی کرنا ایسی صورتحال کے قیام اور تسلسل کیلئے ضروری ہے کونکہ فوجی قوت ہی کفر اور کافر ریاستوں کے خلاف واحد ڈھال ہے۔ یہ وہ امر ہے جو خلیفہ کی قیادت میں دعوت پہنچانے کے معاملے میں فوج یا فوجی طاقت کو ایک اثر مہیا کرتا ہے، یعنی فوج اور فوجی قوت کا خارجہ پالیسی میں ایک کردار ہے کیونکہ وہ اس کے ستون ہیں۔ اس وجہ سے خارجہ پالیسی معاملات میں یعنی خلیفہ کی دعوت کو پہنچانے کی نگرانی کے متعلق خطرہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا خلیفہ کی طرف سے دعوت کو پہنچانے کے عمل کی نگرانی کرنے میں یعنی ریاست کی خارجہ پالیسی کے معاملے میں، فوج کے کی طرف سے ممکنہ خطرے کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر اس خطرے کی حقیقت کو نہ سمجھا جائے تو ممکن ہے کہ دنیا تک دعوت لیجانے کا عمل رک جائے یا الجھن کا شکار ہو جائے جو خارجہ پالیسی میں تنزلی کا باعث بنے گا۔

اسلامی ریاست کی فوجی قوت کی تعمیر صرف دفاع کیلئے نہیں بلکہ یہ ایک واجب امر ہے جو خلیفہ کیلئے لازم ہے تاکہ وہ کام انجام دیا جاسکے جس پر مسلمانوں نے اسے بیعت دی یعنی ریاست کا دعوت کو پہنچانے کا عمل جسے اللہ نے لازم کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ریاست کیلئے یہ لازم ہے کہ اپنی خارجہ پالیسی اس انداز سے چلائے جیسے اللہ نے حکم دیا اور اسے صحیح اور فائدہ مند طریقے سے جاری رکھے۔ لہٰذا حربی کفار اور ان کے حملوں کے خوف کے خلاف امت کی ڈھال کے طور پر فوجی طاقت کی تعمیر ہی ریاستی خارجہ پالیسی کو اسلامی پالیسی بنانے کا واحد طریقہ ہے۔

اسلامی ریاست کا ایک مضبوط فوجی ادارے کے ذریعے ایک زبردست فوجی طاقت کی تعمیر کے لازمی عمل کا یہ مطلب نہیں کہ فوجی ترجیحات ریاست کی خارجہ پالیسی پر غالب ہیں یا یہ کہ فوج کے ادارے کا خارجہ پالیسی پر کچھ یا زیادہ اثر ہے۔ یہ اس لیے کہ فوجی رائے ایک مخصوص پیشے سے وابستہ لوگوں کی پیشہ ورانہ رائے ہے جن کا کام ہی یہ ہے کہ اگر دوسری ریاستوں سے جنگ ہو جائے تو ریاست کو فوجی مہارت مہیا کی جائے۔ لہٰذا فطری طور پر یہ امید کی جاتی ہے کہ ان کی رائے تمام تر احتیاط کی بنیاد پر ہوگی۔ بہرحال یہ درست نہیں کہ ان کی رائے ایک مشورے کی حد سے تجاوز کرے، نہ ہی اس کی حیثیت اس مخصوص شعبے کی پیشہ

ورانہ رائے سے تجاوز کرنی چاہیے جس کی سوچ اس معاملے میں ایک خاص حد سے آگے نہیں جاتی۔ نتیجتاً اس رائے کو ہر معاملے میں لینا درست نہیں، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، نہ ہی اسے خارجہ پالیسی کی عمومی تعلیم کے علاوہ پڑھنا چاہئے جو اس کی اصل جگہ ہے۔ اسے اسی کے مخصوص مقام پر رکھا جاتا ہے جب وہ مقام آئے اور اس کی نصیحت خارجہ پالیسی میں درست جگہ پر ہو، لہٰذا یہ ایک مخصوص نصیحت ہے، عمومی مشورہ نہیں۔ لہٰذا خلیفہ اسے خارجہ پالیسی معاملات میں ہی سنتا ہے جیسا کہ اسے سننا جائز ہے جب یہ صرف سننے ہی کیلئے ہو لیکن اس شرط پر کہ وہ خارجہ امور سے اور اس نصیحت کی اس میں جگہ سے پوری طرح واقف ہے۔ اسے اس سے زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس لیے کہ اگر وہ اسے ایک نصیحت ہونے سے زیادہ اہمیت دے تو بلاشبہ خارجہ پالیسی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا یعنی خارجہ پالیسی الجھن اور زوال کا شکار ہو گی اور دعوت رک جائے گی۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ریاست زوال کا شکار ہو جائے اور اس کے علاقے اس کے اختیار سے نکل جائیں۔ لہٰذا فوجی رائے کو ایک نصیحت سے زیادہ اہمیت دینا درست نہیں۔

جب فوجی ایک فوجی کی حیثیت سے کام کرتے ہیں تو وہ اسے پیشہ ورانہ طور پر انجام دیتے ہیں۔ وہ دشمن کا سامنا کرتے ہوئے عالمی رائے عامہ سے فائدہ اٹھانے کا نہیں سوچتے، نہ ہی اس معاملے پر غور کرتے ہیں کہ اسلام کی دعوت توجہ طلب انداز میں دی جا چکی ہے یا نہیں۔ وہ روحانی اور فکری صلاحیتوں کو خاطر میں لانے کی کوشش نہیں کرتے، نہ ہی دشمن کے علاقے میں موجود دعوت کے لیے گئے ہوئے حاملین دعوت کے اعمال کو سمجھنے کی پرواہ کرتے ہیں، نہ ہی وہ سفارتی ذرائع اور سیاسی اعمال کے عظیم اثرات کو سمجھتے ہیں۔

اگرچہ خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ ریاست کے فوجیوں کے اعلیٰ مقام کی قدر کرے، چاہے زمین کے دفاع کے حوالے سے ہو یا کفار کے خلاف جہاد کا آغاز کرنے کے حوالے سے ہو۔ لہٰذا یہ اس پر اور پوری امت پر لازم ہے کہ فوجی طاقت کی اس طرح حفاظت کی جائے جیسے ایک شخص اپنی آنکھ کی حفاظت کرتا ہے لیکن یہ سیاست دان ہی ہوتے ہیں نہ کہ فوج جو خارجہ پالیسی کا تعین کرتے ہیں اور وہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جنگ کے خطرے کا کیسے سامنا کرنا ہے، کب جنگ کرنی ہے اور اگر جنگ کی ضرورت ہے تو کب ہونی چاہیے اور کتنی جلدی ہونی چاہیے۔

اسی وجہ سے فوجی سوچ ایک مخصوص ذاتی رائے ہے نہ کہ ایک جامع سیاسی فکر۔ اگر ان کے مشورے کو مانا جائے تو وہ اپنے موضوع میں نادر نصیحت ہے لیکن اگر انہیں فیصلے اور نفاذ کا اختیار دے دیا جائے اور ان کی نصیحت کسی بھی طرح مشروط ہو تو اس سے بلاشبہ سیاسی فیصلوں اور سیاسی عمل کو نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ فوجی ادارے کا خارجہ پالیسی پر اثر ہو یا فوجی رائے کو ایک تکنیکی رائے سے زیادہ اہمیت دی جائے اور اسے ایک عمومی مشورے کے طور پر لیا جائے۔

لیکن فوجی آراء کو تکنیکی نصیحت تک محدود کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فوجی اندازوں کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کی آراء فوجی آراء پر بھاری ہوں گی۔ لہٰذا حتمی فیصلہ کرتے وقت خلیفہ خالص فوجی اندازوں کو نظر انداز کرنے کیلئے، اگر وہ ایسا کرے، مکمل ذمہ دار ہو گا۔ اسے دیگر غیر فوجی لوگوں جیسے معاونین، والی، اہلِ حل وعقد کی آراء کو فوجی اندازوں سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے، اگرچہ خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ ریاست کے فوجیوں کے اعلیٰ مقام کی قدر کرے، چاہے زمین کے دفاع کے حوالے سے ہو یا کفار کے خلاف جہاد کا آغاز کرنے کے حوالے سے ہو۔ لہٰذا یہ اس پر اور پوری امت پر لازم ہے کہ فوجی طاقت کی اس طرح حفاظت کی جائے جیسے ایک شخص اپنی آنکھ کی حفاظت کرتا ہے لیکن یہ سیاست دان ہی ہوتے ہیں نہ کہ فوج جو خارجہ پالیسی کا تعین کرتے ہیں اور وہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جنگ کے خطرے کا کیسے سامنا کرنا ہے، کب جنگ کرنی ہے اور اگر جنگ کی ضرورت ہے تو کب ہونی چاہیے اور کتنی جلدی ہونی چاہیے۔ خلیفہ کیلئے لازم ہے کہ ہمیشہ فوجی طاقت کو ایک محتاج ادارے کے طور پر رکھے اور فوجی ادارے یا اس میں موجود کسی شخص کو پالیسی پر

عمل درآمد کرنے سے زیادہ کا کردار نہ دے، نہ کہ اس پالیسی کو مرتب کرنے کا کردار دے۔ یہ تو فوجی ادارے اور اس کی آراء کے کردار کے حوالے سے تھا۔ جہاں تک خلیفہ کا فوجی اندازوں کو جانچنے کا تعلق ہے، تو یہ کافی نہیں کہ انھیں صرف تکنیکی مشورے کے طور پر لیا جائے اور پھر خارجہ پالیسی مرتب کرنے میں یہ فوجی رائے ایک اثر رکھے، بلکہ خارجہ پالیسی پر اس کے کسی قسم کے اثر کو روکنا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں خارجہ پالیسی کا اس کی بنیاد پر مرتب ہونا درست نہیں نہ ہی اس کا اس میں کوئی عمل دخل ہے کیونکہ فوج کو خارجہ پالیس دینا خطرناک ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ فوجی آراء خارجہ پالیسی میں بالکل پیچھے ہوں۔ فوجی آراء کو بطور فوجی آراء، چاہے فوج سے آئیں یا عوام سے، خلیفہ کی خارجہ پالیسی کو مرتب کرنے پر اثرانداز ہونے سے دور رکھنا چاہیے۔

فوجی معاملات کی ایک مخصوص ظاہری شکل ہے۔ توپ، فوجی بحری جہاز، لڑاکا طیارے، اڈے، ایٹمی ہتھیار اور میزائیلوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ کامیابی یا ناکامی، فتح یا شکست اور آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کے عمل پر بغیر کسی مشکل کے آسانی کے ساتھ قائل ہوا جاسکتا ہے۔ یہ مادی اشیاء ہیں جن کے حجم کا اندازہ ممکن ہے۔ ان کے اثرات مادی ہیں جن کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس روحانی اور فکری طاقت، سیاسی داؤ پیچ اور علاقائی اور عالمی رائے عامہ مادی معاملات نہیں ہیں۔ ان کے اثرات اور نتائج کو محسوس کرنا آسان نہیں کیونکہ یہ غیر محسوس چیزیں ہیں جنھیں دیکھا یا محسوس نہیں کیا جاسکتا اگرچہ خارجہ پالیسی میں ان کی بہت اہمیت ہے اور جنگ اور فتح میں تو اور بھی زیادہ۔ لہٰذا فوجی آراء کو خارجہ پالیسی کے پیچھے ہی ہونا چاہیے اور ان کی حیثیت ثانوی ہونی چاہیے جبکہ روحانی اور فکری طاقتوں کو برسرِ اختیار ہونا چاہیے۔ سیاسی داؤ پیچ اور چالاکی کا اہم کردار ہونا چاہیے اور یہ تمام ایک سیاسی طاقت میں جمع ہوں جو تقسیم نہ ہو اور جس کی نگرانی صرف خلیفہ ہی کرے۔ اس سے ہم خلیفہ کی فوج کی قیادت کے مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں جس سے اس کے باقاعدہ قائد یا بالاترین قیادت ہونے کی حساسیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

کچھ خلفاء کی جانب سے فوجی آراء کو خارجہ پالیسی پر حاوی کرنے کے تباہ کن نتائج سامنے آئے جس سے دنیا کو دی جانے والی دعوت رک گئی جو عباسیوں کے دوسرے دور اور عثمانیوں کے آخری دور میں ہوا۔ اسلامی فتوحات رومی سرزمین میں شامی علاقوں کی جانب ترک سرحد پر آکر رک گئیں۔ مغربی یورپ میں وہ فرانس سے واپس نکلے اور اسپین کی سرحد پر آ رُکے جبکہ روحانی جوش ابھی تک مضبوط تھا اور اسلامی افکار پہلے سے زیادہ گہرے اور مضبوط تھے۔ لیکن جب فوج نے اپنی طاقت اور دشمن کی طاقت کے بارے میں رائے دی اور ان آراء کو جنگ میں داخل ہونے یا نہ ہونے کیلئے اپنایا گیا تو فیصلے کے مطابق انھوں نے اپنے آپ کو گرمیوں اور سردیوں کے مہمات تک محدود کرلیا تاکہ جہاد شریعت کے مطابق جارے رہے اور سیاسی اعمال اور سیاسی ضابطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے آگے نہ بڑھے۔ عثمانیوں کے دور میں اسلامی افواج یورپ بشمول یونان، بلغاریہ، رومانیہ، البانیہ اور یوگوسلاویہ کو فتح کر کے آسٹریا میں ویانا کی دیواروں تک پہنچ چکی تھیں اور انھوں نے ان تمام ممالک تک اسلام کی حکومت کو پہنچایا یہاں تک کہ یورپ میں یہ رائے عامہ قائم ہوگئی کہ اسلامی فوج ناقابلِ شکست ہے۔ جب اٹھارویں صدی میں یورپ میں آنے والے صنعتی انقلاب کے باعث فوجی آراء خارجہ پالیسی پر غالب آگئیں تو اسلام کا پھیلاؤ رک گیا اور واپسی شروع ہوگئی جس کے نتیجے میں اسلام کا اختیار مکمل طور پر تباہ ہوگیا۔ یہ تو فوج کی اس طاقت ہونے کے حوالے سے تھا جو جہاد کرتی ہے۔ جہاں تک اس کی اس طاقت ہونے کا تعلق ہے جو اندرونی اور بیرونی طور پر حکومت کی حفاظت کرتی ہے، اس کا تعلق اس مادی قوت سے ہے جو اقتدار اور حکومت کی جان ہے۔ یہی اس کی حفاظت کرتی ہے، یہی اس کو تباہ کرنے یا قائم کرنے کی سکت رکھتی ہے، اگرچہ عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اقتدار کیلئے فوج اور فوجی طاقت کی اقتدار کیلئے موجودگی نہایت اہم ہے۔ اس کا یہ مطلب نکل سکتا ہے کہ فوج کا اقتدار میں گہرا اثر ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ فوجی آراء کو خارجہ پالیسی میں مشورے کی حیثیت میں دیکھا جاسکتا ہے، فوجی ادارے یا اس میں موجود کسی شخص کیلئے اقتدار میں فوجی کی حیثیت سے موجود ہونا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اگرچہ فوجی ادارہ ہی حکومت کی حفاظت کرتا ہے لیکن اس میں ان کی کوئی جگہ نہیں۔ اقتدار کوئی محسوس مادی طاقت نہیں نہ ہی مادی طاقت پر منحصر ہے بلکہ وہ صرف معاشرے میں

تعلقات کے نظام کو چلاتا ہے۔ اقتدار امت یا لوگوں سے حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اصل میں ان ہی میں موجود ہوتا ہے یا ان کے کسی مضبوط طبقے میں، فوج اور فوجی ادارے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں، یہ درست ہے کہ اس کا نفاذ فوج ہی کے ذریعے ہوتا ہے جس کی مادی طاقت یعنی فوج کے بغیر یہ ممکن نہیں لیکن اس میں ان کا کردار صرف ایک وسیلے کا ہے اور کچھ نہیں۔ یہ جائز نہیں کہ ان کا کردار ایک سپاہی کے ہاتھ میں موجود بندوق سے زیادہ ہو جسے وہ اسے دشمن پر استعمال کرے لیکن اس میں اس کا کوئی زور یا رائے نہیں۔ حکومت کیلئے یہ خطرناک ہے کہ فوج کا کسی صورتحال کے فیصلے میں کوئی عمل دخل ہو۔ یقیناً ایسا کوئی بھی کردار ریاست کو ایک 'پولیس اسٹیٹ' بنادے گا جیسے جیل میں پولیس افسران کا قیدیوں کیلئے کردار ہوتا ہے جو تعلقات کو منظم کرنے کے حوالے سے نہیں ہوتا۔

اقتدار میں فوج کا کسی قسم کا کردار، چھوٹا ہو یا بڑا، حکمرانی حکمران اور ریاست کیلئے خطرہ ہے کیونکہ حکمرانی میں حق کی تلاش، شریعت کی پابندی اور انصاف کی فراہمی شامل ہیں۔ اس میں نہ تو حکمران نہ ہی عوام کے پاس موجود مادی طاقت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس کی طاقت نفاذ کے ذرائع میں نہیں بلکہ اس کے لوگوں کے معاملات چلانے کے طریقے میں پنہاں ہے۔ اگر اس میں مادی طاقت شامل ہو جائے گی تو وہ اس کی حکمرانی کی فطرت کو خراب کر کے اسے محض غلبے اور اجارہ داری میں تبدیل کر دے گی اور تب وہ اپنی حکمرانی اور اقتدار کی حیثیت کو کھو دے گی۔ لہٰذا فوج یا فوجی ادارے کیلئے درست نہیں کہ ان کا حکمرانی میں کوئی عمل دخل ہو بلکہ انہیں حکمران کے ہاتھ میں ایک ذریعے کے طور پر ہونا چاہیے جس کی حکمرانی میں کوئی رائے نہ ہو بلکہ انھیں ایک سماعت سے عاری

اقتدار میں فوج کا کسی قسم کا کردار، چھوٹا ہو یا بڑا، حکمرانی حکمران اور ریاست کیلئے خطرہ ہے کیونکہ حکمرانی میں حق کی تلاش، شریعت کی پابندی اور انصاف کی فراہمی شامل ہیں۔ اس میں نہ تو حکمران نہ ہی عوام کے پاس موجود مادی طاقت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس کی طاقت نفاذ کے ذرائع میں نہیں بلکہ اس کے لوگوں کے معاملات چلانے کے طریقے میں پنہاں ہے۔ اگر اس میں مادی طاقت شامل ہو جائے گی تو وہ اس کی حکمرانی کی فطرت کو خراب کر کے اسے محض غلبے اور اجارہ داری میں تبدیل کر دے گی اور تب وہ اپنی حکمرانی اور اقتدار کی حیثیت کو کھو دے گی۔

ذریعے کے طور پر ہونا چاہیے جس میں حکمرانی کی کوئی رائے نہ ہو۔ یہ تو حکمرانی کو اس سے لاحق خطرے سے متعلق تھا۔ جہاں تک حکمران کو اس سے لاحق خطرے کا تعلق ہے، تو فوج اور فوجی ادارے کے لوگ انسان ہی ہیں جن میں جبلتِ بقاء موجود ہے جس کا ایک مظہر اقتدار میں ہونا ہے۔ اگر انہیں اقتدار میں شرکت دے دی جائے اور وہ یہ دیکھیں کہ وہ حکمران کو تباہ کر سکتے ہیں اور وہی اس کی اور اس کے اقتدار کی حفاظت کرتے ہیں، تو وہ اپنے آپ کو طاقت کے منبع کے طور پر دیکھیں گے یعنی یہ سوچیں گے کہ حکمران کے اقتدار کی طاقت ان کے بل بوتے پر ہے۔ یہ سوچ ان میں طاقت میں آنے کی سوچ کو بھڑکا سکتی ہے کہ وہ حکمرانی میں کود پڑیں جبکہ مادی طاقت بھی ان ہی کے ہاتھ میں ہے، اور وہ حکمران سے اقتدار چھین لیں۔ لہٰذا حکمران کیلئے یہ نہایت خطرناک ہے کہ فوجی ادارے یا فوج کو اقتدار میں کوئی بھی جگہ دی جائے۔ عباسیوں اور عثمانیوں کے دور میں یہی ہوا، کچھ خلفاء فوج کے سامنے کمزور ہو گئے اور پھر زیادہ دیر نہ گزری کہ انھیں یا تو اقتدار سے ہٹا دیا گیا یا اثر انداز کر دیا گیا۔ نتیجتاً ان خلفاء کے ادوار میں اسلامی ریاست کی حکمرانی زوال کا شکار ہو گئی۔

جہاں تک امت اور ریاست کو فوج کے حکمرانی میں کردار سے لاحق خطرے کا تعلق ہے، تو اسلامی ریاست اپنی فکر کی فطرت کی وجہ سے دشمنوں سے گھری ہوتی ہے۔ وہ شرعی حکم جس کی ریاست اور امت نے اتباع کرنی ہے وہ یہ ہے کہ پوری دنیا یا تو دارالاسلام ہے یا دارالحرب ہے۔ وہ علاقے جب پر اسلام کی حکومت یا جھنڈا ہے وہ دارالاسلام ہیں جبکہ دنیا میں باقی سب علاقے دارالکفر یا دارالحرب ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست ہر وقت دشمنوں سے گھری ہوتی ہے جو

بقیہ صفحہ 3 پر

جمہوریت کا تابوت

تحریر: منعم احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کفن بھی ہے میت بھی اور، قبر بھی ہے تیار
موقع بھی ہے دستور بھی اور، پورا ہے معیار
جنازے کو لیجانے والے لوگ بھی ہیں آئے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

کیا پیدا انساں ہے عبدیت کے واسطے
خدا جو بن بیٹھا ہے جمہوریت کے راستے
کوئی تو ہمیں انساں کی غلامی سے بچائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

اک صدی قریباً ہوئی امت ہوئی یتیم
لازم ہے کہ واپس آئے تاریخ عظیم
لب پہ جاری ہیں دعائیں کوئی تو بت گرائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

معیشت ڈوبی امن تباہ بحران در بحران
خیر الامت ہوئی ذلیل چھوڑا جب قرآن
وحی بھی جب اکثریت کی محتاج بن جائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

سنت نہ ہے رب کی یہ اسبابی دنیا میں
دعاؤں سے ہی سب کچھ ہووے فانی دنیا میں
فتح کے لیے نبی نے بھی گھوڑے ہیں دوڑائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

چھوڑ دیا قریش نے جب بے یار و مددگار
پتھر مار کر کر دیا طائف نے بھی انکار
یثرب نے اس حکم پر انکے اپنے سر جھکائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

نہ تو سیاست دان کوئی نہ کوئی سوداگر
امریکی آشیر باد کوئی نہ ہی خان بہادر
طاقت کے مرکز پر بیٹھا بس ہمیں بتلائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

پچھلی بار جس مردِ مومن نے پایا اعزاز
تاریخ میں اس کا نام اکیلا، سعد بن معاذؓ
گر کہوں تو دیکھ کر اسکو اللہ مسکرائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

جو وہ ٹھانے حق کی خاطر دین کی نصرت
بیچ دیا پھر اس نے خود کو قیمت ہے جنت
اس سے اچھا ہے سودا تو پھر کوئی سامنے لائے
ہے کوئی مردِ مومن جو جمہوریت کو دفنائے

ختم شد

کیا فلاحی ریاست کا تصور اسلام سے مطابقت رکھتا ہے؟

تحریر: محمد اکمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر آئیڈیالوجی کا اپنا ایک عقیدہ ہے جس سے اس کے نظام پھوٹتے ہیں۔ان نظاموں کے نفاذ میں یہ آئیڈیالوجیز ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی(کیپٹلزم) کے مطابق معاشرہ محض افراد کا مجموعہ ہے چنانچہ افراد کے امور کے منظم ہو جانے سے معاشرہ کے امور بھی منظم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہر ایک فرد اپنے معاملات کی دیکھ بھال میں مخصوص آزادیوں کا حامل ہو تو بعید از قیاس نہیں وہ اپنے امور کو اپنے اطمینان کے مطابق استوار کر لے۔ جیسا کہ معاشرہ افراد ہی کا مجموعہ ہے تو افراد کا اپنے انفرادی امور کو منظم کرنے سے خود کار طریقہ سے معاشرے کے امور بھی منظم ہو جائیں گئیں۔ یہیں سے انسانی آزادیاں سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی میں بنیادی تصور کی حیثیت حاصل کرتی ہیں۔اور یہیں سے ریاست کا تصور جنم لیتا ہے اور معاشرے میں ریاست کا کردار بھی واضح ہوتا ہے۔ سرمایہ داریت کے نزدیک ریاست کا کام صرف اور صرف آزادیوں کی نگرانی اور داخلی اور خارجی عناصر سے حفاظت ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی آزادی میں دست درازی کرے تو تبھی ریاست مداخلت کرے گی لیکن اگر یہ سب کچھ دونوں فریقین کی باہم رضامندی سے ہو رہا ہو تو اسے آزادی پر دست درازی نہیں کہا جائے گا نہ ہی ریاست ایسے معاملات میں مداخلت کرے گی کیونکہ ریاست کا وجود ان آزادیوں کی ضمانت دیتا ہے(theory of liabilities)۔ ان آزادیوں میں نمایاں آزادی مال کی آزادی ہے جس کے مطابق ہر کوئی اپنے مال میں تصرف اور اضافے کا مکمل اختیار رکھتا ہے ،اس میں مداخلت اس فرد کی آزادی سلب کرنے کے برابر ہے۔ اسی آزادی کو ریاستی املاک کے

ہر آئیڈیالوجی کا اپنا ایک عقیدہ ہے جس سے اس کے نظام پھوٹتے ہیں ۔ان نظاموں کے نفاذ میں یہ آئیڈیالوجیز ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی(کیپٹلزم) کے مطابق معاشرہ محض افراد کا مجموعہ ہے چنانچہ افراد کے امور کے منظم ہو جانے سے معاشرہ کے امور بھی منظم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہر ایک فرد اپنے معاملات کی دیکھ بھال میں مخصوص آزادیوں کا حامل ہو تو بعید از قیاس نہیں وہ اپنے امور کو اپنے اطمینان کے مطابق استوار کر لے۔

بہترین استعمال کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ سرمایہ داریت کے نظریہ(کیپٹلزم) کے حامل مفکرین کے نزدیک بنیادی اقتصادی مسئلہ ان گنت خواہشات اور محدود وسائل کی موجودگی میں ان وسائل کی تقسیم ہے۔ یعنی معاشرہ کے وسائل کا بہترین استعمال کب اور کیسے ہو گا۔ چونکہ ملکیت کی آزادی دیگر آزادیوں میں سے سب سے نمایاں اور دوسروں پر حاوی ہے جس کے تحت ایک فرد کو اپنی املاک میں تصرف، یعنی وہ اسے کیسے استعمال کرتا ہے، کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ پس اس مال میں بغیر مالک کی اجازت کے تصرف ڈاکہ کے برابر ہے۔ اسی نسبت سے ٹیکس اس مال میں دست درازی قرار دیا گیا کیونکہ ٹیکس ریاست کی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے کسی کی املاک میں زبردستی حصہ حاصل کرنا ہے۔ بلکہ اس کے لیے توجیہہ دی جاتی ہے کہ سرمایہ دار سے ٹیکس لے کر معاشرہ کے پیچھے رہ جانے والے طبقہ کو نقد دینا یا ان کے لیے سہولیات کا مہیا کرنا اصل میں مال کے استعمال میں بہترین قابلیت رکھنے والے سے مال لے کر اسے مال کے استعمال میں بدترین قابلیت رکھنے والے معاشرے کے فرد کے حوالے کرنا درست نہیں بلکہ ایسا کرنے سے معاشرے کے اموال کا ضیاع ہو گا۔ ان کے نزدیک بہترین صورت تو یہی ہوتی کہ اس مال کا بہترین استعمال ہو جو کہ تب ہی ممکن تھا کہ معاشرہ میں مالی معاملات میں بہترین اہلیت رکھنے والے کے پاس ہی مال کی ملکیت رہنی چاہیے اور ایسا کرنا سرمایہ دار اور غریب دونوں کے لیے یکساں فائدہ مند ہو گا۔ سرمایہ دار کے لیے منافع کی شکل میں اور مزدور کے لیے اجرت کے مواقع کی شکل میں۔ آزادیوں میں سے شخصی آزادی کے تصور میں یہ بات بھی شامل ہے کی ہر آزاد انسان کسی دوسرے آزاد انسان ساتھ کسی معاہدہ میں بندھنے میں آزاد ہے لیکن فریقین پر ایسا معاہدہ جس کے ایجاب و قبول میں دونوں آزاد تھے کی تمام شقوں اور پابندیوں کو پورا کرنا لازم ہے۔ گویا contract کا تقدس لازمی ہے اور یہی بات labor problem کی بنیاد بنی۔ اب اگر کسی مالک نے ملازم کے ساتھ دن میں

14 گھنٹے کام کرنے کا معاہدہ کیا تو وہ ملازم 14 گھنٹے کام کرنے کا پابند ہے، اگر نہیں کرے گا تو معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب سمجھا جائے گا اور مالک تمام تر قانونی چارہ جوئی پر حق بجانب ہے۔

چنانچہ سیاست اور اقتصاد کا یہ تعلق سرمایہ داریت کے اولین ادوار سے جاری رہا اور اس نے مغربی ریاستوں میں زبردست قسم کا بگاڑ پیدا کر دیا۔ اسی اثنا میں اشتراکیت (سوشلزم) کے نظریہ نے زور پکڑنا شروع کیا، اب سرمایہ داریت کی آئیڈیالوجی کے مقابلے میں متبادل موجود تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں روس میں سرخ انقلاب کے بعد اشتراکی نظریہ کی پشت پناہی کرنے والی ریاست وجود میں آچکی تھی۔ ریاست کے وجود کا صرف آزادیوں کے ضامن کی حد تک محدود ہونے کا نظریہ دباؤ کا سامنا کرنا لگا۔ مالک اور ملازم کے درمیان ربط منظم ہونے کی بجائے ایک استحصالی تعلق بن گیا، مزید برآں theory of liabilities کے تحت سرمایہ دار، ریاست کی مکمل قوت کو عدالتوں کے ذریعے، اپنے مفاد کے تحفظ کے حق میں استعمال کر رہا تھا۔ سوشلسٹ نظریے کے حاملین نے ملازم خواہ وہ عام مزدور تھے یا ٹیکنیکل ماہرین، دونوں کی حالت زار کو اپنا مؤقف بنایا اور اس استحصال زدہ طبقے کے لیے انصاف کے تقاضے کے طور پر مختلف انواع کی خدمات کو کہیں ضروری کہا اور کہیں حق گردانا۔ رہی سہی کسر گریٹ ڈیپریشن نے مکمل کر دی۔ سرمایہ داریت کے نیچے سسکتی انسانیت کا دل اس سے اچاٹ ہوا چلا تھا۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ o فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ o وَلاَ يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِo

تو نے دیکھا اُسکو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو۔ سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو۔ اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر۔ (الماعون :3-1)

بیسویں صدی کے اوائل میں امریکہ میں حالات کچھ ایسے تھے کہ 1900 میں پورے ملک میں صرف ۵ کمپنیاں تھی جو اپنے ملازمین کو پینشن کی سہولت دے رہے تھے جو کہ 1932 میں بڑھ کر 15٪ ہو گئی۔ 1929 میں شروع ہونے والے گریٹ ڈیپریشن نے ایک آفت بن کر امریکہ کی تمام آبادی کو لپیٹ لیا۔ 10,000 بینک دیوالیہ ہو گئے، امریکی GNP آنے والے دو سالوں میں 105 ارب ڈالر سے 55 ارب ڈالر پر آ گئی۔ تنخواہیں 50 ارب ڈالر سے کم ہو کر محض 30 ارب ڈالر رہ گئی تھی۔ بیس لاکھ بالغ امریکی شہری بے مقصد بے کار، بے گھر، شہروں میں آوارگی کرنے پر مجبور تھے اور غرباء کے لیے سوائے مخیر حضرات کی طرف سے صدقات کے علاوہ کوئی اور آسرا نہیں تھا۔ ایسے میں ملک کے طول و عرض میں مختلف افکار کی بنیاد پر کئی تحاریک اٹھیں۔ ان میں سے چند سیاسی تحریکات، جو سیاسی اصلاحات کا پیش خیمہ بنیں، مندرجہ ذیل ہیں:

ہر کس بادشاہ:

اپنی دولت میں شریک کے نام پر ایک تنظیم لوزیانہ (Louisiana) کے گورنر ہوئی لانگ (Huey Long) نے قائم کی جس کا نعرہ تھا کہ ہر کس بادشاہ ہے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ریاست کے سرمایہ داروں کی دولتیں ضبط کر لی جائیں۔ اور وفاقی حکومت ہر خاندان کو سال کا 5000$ دے۔ یاد رہے کہ اس وقت ایک متوسط خاندان کا سال کا خرچہ ساڑھے تین ہزار ڈالر تھا۔ اس کے مطالبوں میں یہ بھی تھا کہ انفرادی دولت پر پانچ کروڑ کی حد مقرر کی جائے اور کسی کو سال میں دس لاکھ ڈالر سے زیادہ تنخواہ کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ تحریک لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ ایسے وقت جب امریکہ کی آبادی 12 کروڑ تھی اس تحریک کے 27000 کلب اور 70 لاکھ ممبران رجسٹرڈ تھے۔

ٹاؤن سینڈ تحریک:

فرانسس ٹاؤن سینڈ کیلیفورنیا کے ایک ڈاکٹر تھا اور 66 سال کی عمر میں بے روز گار ہو گیا۔ اس نے اس صورتحال کے نتیجے میں ایک تحریک شروع کی جس کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ ہر 60 سال سے زائد عمر والے ریٹائر فرد کو 200$ مہینے کے ملنے چاہییں اس رقم کو 2% سیلز ٹیکس لگا کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی کچھ شرائط بھی تھی کہ کون اس پروگرام کا حقدار ہو گا۔ ٹاؤن سینڈ نے اپنا مقالہ ایک مقامی اخبار میں شائع کروایا۔ اور دو سال کے مختصر عرصہ میں اس تحریک کے 7000 کلب میں 22 لاکھ ممبران رجسٹرڈ تھے۔ یہ تحریک اس حد تک زور آور ہوئی کہ وہ 1949 میں امریکی کانگرس میں اس پروگرام کو اپنانے کے لیے بل پر رائے شماری میں صرف 39 عددی کمی سے رہ گیا۔

کیلیفورنیا کی EPIC تحریک:

اپٹن سنکلیر (Upton Sinclair) کیلیفورنیا سے ایک اعلانیہ سوشلست کارکن تھا۔ ڈیموکریٹک پارٹی ہی کے ناراض گروپ نے ان سے ریاست کے اقتصادی مسائل کے حل کے لیے پارٹی ایجنڈا کی تشکیل میں مدد چاہی۔ اس کی طرف سے دیئے گئے پلان سے گروپ کے اراکین اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپٹن سے ڈیموکریٹک پارٹی کے ٹکٹ سے گورنر کا الیکشن لڑنے کی استدعا کی۔

کیلیفورنیا آبادی کے لحاظ سے امریکہ کی سب سے بڑی ریاست ہے۔ 1934 کے اس ریاست کے گورنر کے تین طرفہ الیکشن میں ریپبلک پارٹی کے امیدوار نے 48% ،اپٹن نے 37% اور پروگریسو امیدوار نے 17% ووٹ حاصل کیے۔ یعنی اگر یہ دو طرفہ مقابلہ ہوتا تو ایک اعلانیہ سوشلست امریکہ کی سب سے بڑی ریاست کا گورنر ہوتا۔

:Ham and eggs

بعض تحاریک مضحکہ خیز مطالبات کی بنیاد پر بھی قائم ہوئیں اور عوام میں پذیرائی حاصل کر گئیں۔ انہیں میں سے ایک Ham and eggs ہے جس کا مطالبہ مزید ایک فرضی کرنسی کے اجرا کا تھا ،اور یہ کہ ہر جمعرات کو پچاس سال سے زیادہ عمر والے ہر بے روز گار کو تیس ڈالر ملنے چاہیے۔

Lets stay away from politics

Regardless of who hollers

Let's not be fooled by childish tricks

LET'S GET OUR THIRTY DOLLARS

ان لوگوں کا مطالبہ جب ریفرینڈم کے لیے پیش ہوا تو وہ 14 لاکھ ووٹ کے مقابلے میں ساڑھے گیارہ لاکھ ووٹ لے کر ناکام رہے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ اس تحریک کے قائدین عجیب کردار کے حامل تھے۔ آپس میں ان کے جھگڑے تھے۔ بار بار سکینڈل اخبار کی زینت بنتے رہتے تھے اور ان کی طرف سے دیئے گئے حل فکری لحاظ سے خوش گپی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے لیکن اس سب کے باوجود عوام میں ان کی مقبولیت اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ عوام میں اس مسئلہ کے متعلق کس حد تک فکر مندی موجود تھی۔

یہ صرف چند مثالیں تھیں جو امریکہ میں قومی سطح کی حد تک مقبولیت حاصل کر سکیں۔ ورنہ فیکٹریوں، قصبوں یا شہروں کی سطح پر ہونے والے پر امن اور پر تشدد واقعات پر کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں، جن میں یکم مئی 1886 کے شکاگو کے مظاہرے عالمی شہرت رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ 1934 میں حالات کچھ یوں تھے کہ لوگوں کا معمول کے اداروں پر سے اعتماد اٹھ چکا تھا۔ کافی عرصہ پہلے ہی صنعتی انقلاب سے آنے والی معاشرتی تبدیلیاں ان پلٹ حالت میں پہنچ چکیں تھیں، روایتی معاشرتی حفظ ما تقدم ،خاص کر معمر افراد کے لیے ،یعنی خاندانی تعاون اور مخیر افراد کی خیرات وغیرہ جیسے اقدامات ناکام ہو چکے تھے۔ انقلابی قسم کے حل کے لیے مطالبے خودرو جھاڑیوں کی طرح چار سُو پھیل رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں سرمایہ دار طبقے کو پورا نظام لپٹتا ہو نظر آرہا تھا، جو اب تک کسی بھی قسم کی ایسے اقدام، جس میں ان پر ٹیکس لگا کر معاشرے کے کمزور طبقہ پر خرچ کیا جائے، کو اپنی املاک پر ڈاکہ یعنی اپنی آزادی کا سلب ہو جانا سمجھتا تھا۔ اور اب کسی نا کسی طرح اس استحصال زدہ طبقے کے غصہ کو ٹھنڈا کرنا ضروری سمجھتا تھا، جو کہ شورش کی راہ پر گامزن ہو چکا تھا۔ دوسری طرف روسی ریاست اشتراکیت کے تحت تمام وسطی ایشیا کو ضم کر کے مستحکم ہو چکی تھی اور اب اس کی نظریں یورپ پر تھیں۔ درج بالا حالات و واقعات حالانکہ ریاست ہائے امریکہ کے لیے ہیں لیکن ایسا ہی سب کچھ یورپ کی استعماری ممالک کے لیے بھی اِسی طرح سچ تھا۔ فرانس، انگلینڈ، جرمنی میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی تحقیقاتی رپورٹ اور ان کے مطابق ایسے پروگرام متعارف کرائے جو ان کی عوام کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکیں۔

اس نظریاتی چیلنج نے مغربی مفکرین کو مجبور کیا کہ وہ contract کے تقدس اور liability کی طرف اپنے رجحان کو تبدیل کریں۔ حالت یہ تھی کہ اگر دو آزاد فریقین آپس میں ایک محنت اور اُجرت کا معاہدہ کریں جس میں اگر ایک فریق دن کے 14 گھنٹے کام کرنے کی حامی بھر چکا ہو تو یہ فریق کنٹریکٹ کی تکمیل کا پابند ہے، چاہے اِس میں اُس کی جان چلی جائے۔ پس ان معاہدات کو ایسے قوانین کے تابع کیا گیا جن کی حیثیت ایک پیوند سے زیادہ نہیں تھی، مزید بر آں یہ قوانین سرمایہ داریت کے اپنے ہی عقائد اور نظریات سے متصادم تھے۔ ان کی شخصی آزادی کے نظریہ کے تحت ہر دو آزاد فرد کو آپس میں معاہدہ کرنے کی مکمل آزادی ہے اور اس معاملہ میں کسی بھی تیسرے فریق کی دخل اندازی پہلے دو کی آزادی پر روک سمجھی جاتی ہے، لیکن اس تضاد کو ایک کڑوی گولی قرار دے کر ان معاہدوں کو کچھ اصول اور قواعد کا پابند کیا جانے لگا۔ جیسا کہ دن میں کام کرنے کے گھنٹوں کی حد، کم ترین اجرت کی حد، کم سے کم عمر کی حد، یونین بنانے کی اجازت، ہڑتال کرنے کا حق، پنشن وغیرہ۔

جہاں امریکہ میں سوشل سیکورٹی کے نام سے استحصال زدہ طبقہ کو رام کرنے کی کوشش کی گئی تو یورپ میں بھی ایسے پروگراموں کو **"فلاحی ریاست"** کے نام کے ساتھ متعارف کرایا گیا۔ یہ پروگرام اصلاً آزادیوں کے تصور کے ساتھ متصادم تھے اور چاروناچار سرمایہ دار طبقے نے اسے قبول کیا تھا۔ یہ ایسا ہی تھا کہ جو گیارہ ستمبر کے سانحہ کے بعد ہوا جب امریکہ اور باقی ترقی یافتہ ممالک نے قومی سلامتی کے نام پر رائے کی

آزادی کے خلاف قوانین متعارف کرائے اور اپنے ہی نظریے کے خلاف چلے۔

سوشل سیکورٹی ،فلاحی ریاست اور معاشرتی عدل ایک ہی مسئلہ کے لیے ،ایک ہی جیسے حل کے مختلف نام ہیں۔ ان اصطلاحات کا اطلاق ان تمام پروگراموں پر ہوتا ہے جو ملکیت کی آزادی اور باقی تمام تصورات کی موجودگی میں، معاشرے کے کچھ مخصوص افراد کے لیے مخصوص سہولیات مشروط طور پر مہیا کرنے سے متعلق تھے۔ اگرچہ بائیں بازو کے مفکرین اسے عوام کے حق کے طور پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر سوشلسٹ نظریات کی طرف سے جیسے ہی دباؤ میں کمی محسوس ہونا شروع ہوئی، فلاحی ریاست ،سوشل سیکورٹی اور معاشرتی عدل (عدل اجتماعی) کے معاملات اپنے نافذ العمل ہونے کے کم و بیش تیس سال بعد ہی واپس ہونا شروع ہو گئے۔ اور Neo-liberalism کی شناخت کے ساتھ امریکہ میں صدر ریگن اور برطانیہ میں وزیر اعظم مارگرٹ تھیچر نے رفتہ رفتہ ان سہولیات کو واپس لینا شروع کیا جنہیں 1940 کی دہائی میں پسے ہوئے طبقہ کے لیے لازم قرار دے دیا گیا تھا۔ رہی سہی کسر نوے کی دہائی میں گلوبلائزیشن نے پوری کر دی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرمایہ دار انہ آئیڈیالوجی کے ناقدین کی بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ اس نظام میں سرمایہ دار بھوکے کو اس لیے نہیں کھلاتا ہے کہ یہ رب العالمین کا حکم ہے بلکہ اس لیے کہ ایسا کرنے سے وہ اس کے مال میں چوری نہیں کرے گا۔ اور یہ کہ ایسا کوئی بھی معاشرہ جس کے افراد، دوسرے افراد کو صرف اپنے نفع اور مفاد کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور اسی بنیاد پر معاشرے میں اقتصادی سرگرمی کی بنیاد رکھتے ہیں ،ایسے لوگ معاشروں اور انسانیت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

سوشل سیکورٹی ،فلاحی ریاست اور عدل اجتماعی مترادف اصطلاحات ہیں اور ان کی بنیاد اور آغاز ایک ہی قسم کے حالات اور نظریات ہیں۔ ان کے

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرمایہ دار انہ آئیڈیالوجی کے ناقدین کی بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ اس نظام میں سرمایہ دار بھوکے کو اس لیے نہیں کھلاتا ہے کہ یہ رب العالمین کا حکم ہے بلکہ اس لیے کہ ایسا کرنے سے وہ اس کے مال میں چوری نہیں کرے گا۔ اور یہ کہ ایسا کوئی بھی معاشرہ جس کے افراد، دوسرے افراد کو صرف اپنے نفع اور مفاد کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور اسی بنیاد پر معاشرے میں اقتصادی سرگرمی کی بنیاد رکھتے ہیں ،ایسے لوگ معاشروں اور انسانیت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

مطابق ریاست کے کچھ لوگ (تمام نہیں) مشروط طور پر کچھ سہولتوں کے حق دار ہیں۔ یہاں کچھ سہولتوں کو ملازم رکھنے والے کے لیے ضروری قرار دیا گیا جیسا کہ پنشن اور صحت اور کچھ کو ریاست کے لیے ضروری گردانا گیا جیسا کہ تعلیم۔ یہی ان اصطلاحات کی حقیقت ہے۔ فکری انحطاط کے اِس دور میں ان اصطلاحات کی اسلام کے کچھ احکام سے مماثلت کی بنیاد پر ان اصطلاحات کے زمرے میں آنے والے کام اور اہداف کو اسلامی گردانا گیا اور عاقبت نا اندیش خود ساختہ دانشوروں نے ایسے مرکبات متعارف کرائے جن میں ہر اصطلاح دوسرے کی نفی کرتی ہے، چنانچہ اسلامی فلاحی ریاست میں اسلامی ریاست کو فلاحی سے متصف کرنا یہ لازم کرتا ہے کہ اسلام میں کچھ معاملات فلاح والے ہیں اور کچھ معاملات میں فلاح کے لیے اسلام کے علاوہ اور نظاموں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ باوجود یہ کہ ایسی فکر پر یقین رکھنا بموجب کفر ہے۔ اس اصطلاح کے استعمال اور ترویج میں کسی احتیاط کی رُورعایت نہیں رکھی گئی۔ بحیثیت حاملینِ دعوت یہ ہمارے لیے ازبس ضروری ہے کہ اسلام سے اجنبی افکار کو نہ صرف پہچانا جائے بلکہ ان کا انکار بھی کیا جائے۔

یہاں پر تین پہلو تفصیل طلب ہیں

اول: کیا ان اصطلاحات کی اسلام میں گنجائش موجود ہے؟

دوم: کیا اسلامی ریاست میں استحصالی طبقہ موجود ہوتا ہے یا موجود ہونے کا امکان ہے؟

سوم: اسلام میں بنیادی حقوق کا تصور کیا ہے اور ان کا حقدار کون ہے؟

اول: کسی بھی اصطلاح کے استعمال سے پہلے اس بات کا تعین بہت ضروری ہے کہ اس کا ماخذ کسی اجنبی تہذیب سے تو نہیں۔ اوپر دی گئی اصطلاحات میں "فلاحی ریاست" اور عدلِ اجتماعی میں دو صفات یعنی فلاح اور عدل زندگی کے بارے نقطۂ نظر پر منحصر ہیں۔ آئیڈیالوجی بدلنے سے فلاح اور عدل کے معنی بھی بدل جائیں گئیں۔ مغربی سیاسی مفکرین کے نزدیک عدل اجتماعی کا مطلب معاشرے کے ضرورت

مند طبقے کو تعلیم اور صحت اور بر سر روز گار افراد کو حقوق کے تحفظ کی فراہمی ہے جبکہ اسلام میں عدل کے معنی ظلم کی ضد میں آتے ہیں مزید یہ کہ اسلام تعلیم اور صحت امیر اور غریب دونوں کے لیے یکساں ضروری قرار دیتاہے اور حقوق کا تحفظ بھی ریاست کے ہر شہری، خاص ہو یا عام، کمزور ہو یا طاقتور، مسلم ہو یا غیر مسلم، کسان ہو یا مزدور، سب کے لیے لازم ہے۔ ایسی بیش ہا اصطلاحات سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق علوم میں موجود ہیں جو کسی نظریاتی بنیاد پر اخذ نہیں کی گئیں بلکہ مشاہدات کو منظم کرنے کے لیے موجود ہیں۔ ایسی اصطلاحات کے استعمال اور اختیار کر لینے کے متعلق اسلام میں ممانعت نہیں۔ لیکن ہر ایسی اصطلاح جس کی بنیاد کوئی نظریہ حیات ہو تو ایسی اصطلاحات کا استعمال اور انہیں اختیار کر لینا حرام ہے جیسا کہ نماز پڑھانے والے کو پادری کہنا۔ اخیر الکلام فلاحی ریاست کی اصطلاح کا لازمی نتیجہ یہ ہے ریاست کے معاملات مغربی آزادیوں کے تصور یعنی سرمایہ داریت کے مطابق ہی چلائے جائیں اور ان سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو فلاحی ریاست کے ڈھکوسلوں کی مرہم پٹی سے ڈھانپ دیا جائے، اور اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں۔

دوم: جیسا کہ اوپر بحث میں مذکور ہے مزدور کی حالت زار کی بنیادی وجہ مالک اور ملازم کے درمیان آزادیوں کی بنیاد پر ہونے والے کام کے معاہدات ہیں۔ جہاں اس معاملہ میں سوشلسٹ نے ملازم کی خرابیٔ حال کو لے کر ملازم ہی کو کل قرار دے کر حل پیش کرنے کی کوشش کی، وہاں سرمایہ دارانہ نظریے کے حاملین نے اپنے نظریات میں اپنے نظریے سے متناقض پیوند لگائے۔ یعنی ہر دو فریقین کو معاہدہ کرتے ہوئے تیسرے فریق کے قائم کردہ قوائد واصول کا پابند کر دیا۔ اسلام میں اول تو طبقاتی جنگ یا دو متحارب فریق یعنی سرمایہ دار اور مزدور جو کہ اپنے اپنے حقوق کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہیں کا وجود نہیں۔ کیونکہ اسلام میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے معاشرے میں موجود تمام تعلقات میں ہر فریق کے لیے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین شریعت کے ذریعے منظم کر دیا ہے، جیسے کے میاں و بیوی، حاکم و رعایا، آجر و اجیر، بائع و مشتری وغیرہ۔ چنانچہ مزدور کو پہلے اپنے حقوق کے تعین کے لیے اور بعد میں حصول کے لیے یونین بنانا اور دوسرے ایسے اسالیب جس سے مخالف فریق دباؤ میں آئے کی ضرورت نہیں۔ اول ریاست اسلام کے نفاذ کی ذمہ دار ہے، نہیں تو محکمۂ المظالم کے ذریعے حکومت کی غفلت کی دوری کا بندوبست کیا جاسکتا ہے اور آخر میں یہ ذمہ داری امت کی طرف پلٹتی ہے کہ وہ حاکم کا ہاتھ حق کی طرف موڑے۔ اسلام میں طبقات نہیں چنانچہ کوئی مسئلہ محض مزدور ڈاکٹر وکیل کسان کا نہیں بلکہ ریاست کے ایک شہری کا ہے اور امت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ ہر منکر پر حکومت کا محاسبہ کرے۔ اس لیے اسلامی ریاست میں بادی النظر labor problem نا تو موجود ہو گا نا ہی پیدا ہو جانے کا خدشہ ہو گا۔

سوم: مغربی افکار میں چونکہ آزادیاں کلیدی مقام رکھتی ہیں چنانچہ ان آزادیوں کا تعین اور جانچ افراد کے مخصوص اعمال کے متحمل ہونے کے ساتھ ہے۔ اور یہی سے حقوق کی بحث شروع ہوتی ہے۔ کہ ایک فرد کو اپنا عقیدہ رکھنے کی آزادی ہے تو افراد ہر وقت اسی جانچ میں لگا رہتا ہے کہ کیا وہ کوئی بھی عقیدہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ ایک فرد کو اپنی رائے کے اظہار کی آزادی ہے تو کیا وہ اپنی رائے دینے پر کسی ملامت کا شکار تو نہیں۔ یا ایک فرد کو اپنے مال کو جیسے وہ چاہتا ہے استعمال کرنے کی آزادی حاصل ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ انسان کو اپنی ذات کے مفاد اور بہتری میں فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔ یہی سے عقیدہ کا حق، رائے کا حق، مال میں اختیار کا حق، اپنی ذات میں اختیار کا حق جس میں 'میرا جسم میری مرضی' شامل ہے وجود میں آتے ہیں۔ انہیں بنیادی حقوق کی مزید تاویل کے ذریعے تعلیم، صحت اور روزگار کو بھی شامل کیا گیا۔

اسلام کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ اللہ سبحانہ وتقدوس نے انسان حیات اور کائنات کو پیدا کیا اور انسان کے لیے اومر و نواہی وحی کے ذریعے نازل کیے اور ان کا پابند بنایا۔ اور مغربی فکری بنیاد سے برعکس شریعت میں زور ذمہ داریوں پر ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامی میں ہر فریق کی ذمہ داری کی سیر حاصل تفصیل موجود ہے۔ جیسے کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ امام ذمہ دار ہے رعیت کا اور اس بابت جواب دہ ہے۔ اسی طرح خاوند کی ذمہ داری بیوی اور گھرانے کی طرف، بیوی کی ذمہ داری گھرانے اور شوہر کی طرف، فروخت کنندہ کی خریدار کی جانب، سرمایہ دار کی مال کی جانب، زمین دار کی زمین کی جانب، آجر کی اجیر کی جانب ہے۔ اس ضمن میں پھر سوال یوں ہو گا کہ کسی ایک فرد یا کل عوام سے متعلق اجتماعاً اور فرداً فرداً حاکم پر، معاشرے پر اور خاندان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے۔

چنانچہ اسلام میں ریاست کی ذمہ داری ہے تمام شہریوں کے لیے صحت اور تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔ اس میں امیر اور غریب دونوں یکساں حقدار ہیں۔ اس سہولت پر کسی قسم کی شرط کا نفاذ خواہ یہ شرط غربت کی ہو یا بر سر روزگار ہونے کی ہو یا کسی علاقہ سے ہونے کی ہو وغیرہ، محروم کیے جانے والے کے ساتھ ظلم ہو گا۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ بات اجاگر کی جائے کہ معاشرے میں سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے بگاڑ کو صرف سرمایہ داریت کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکنے اور اسلام کے نظام خلافت کے قیام سے ممکن ہے۔ فلاحی ریاست، عدل اجتماعی اور سوشل سیکورٹی والے وقتی مرہم کے نتائج، ہر جگہ ہر دور میں انسان کی صرف مزید تکلیف، اذیت اور تذلیل کی صورت میں ہی نکلیں گے۔ ایسی ہر ایک اصطلاح کا استعمال اور اس کے تحت عوامل لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہیں۔

ختم شد

بقیہ صفحہ 31 سے

حضرت ابو درداؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ إِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ "جس نے علم کی طلب کے لیے کوئی راستہ طے کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور ملائکہ طالب علم کی خوشنودی کے لیے اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں، اور دنیا پر موجود ہر چیز اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہے، حتیٰ کہ سمندر میں موجود مچھلیاں بھی۔ ایک (باعمل) عالم کی ایک عبادت گزار پر فضیلت ویسی ہی ہے جیسے کہ چاند کی باقی تمام ستاروں پر۔ علماء انبیا کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء اپنے پیچھے درہم اور دینار نہیں چھوڑ کر جاتے بلکہ ان کی وارث علم ہے۔ تو جس نے علم حاصل کیا اس نے اس وراثت کا بڑا حصہ لے لیا" (ابن ماجہ، ترمذی، ابو داؤد)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی طلب اور تڑپ عطا فرمائے اور اسے علم سیکھنے والے اور سکھانے والے دونوں کے حق میں قبول فرمائے، بے شک اللہ ہمارے وہم و گمان سے کہیں زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ (آمین)

ختم شد

بقیہ صفحہ 33 سے

سے روشناس کرادیں۔ اللہ عزوجل نے ہمیں بھیجا ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کی عبادت کرنے سے بچائیں"۔

مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو دعوت دیں اور انہیں اسلامی عقیدے اور اسلامی طرز زندگی کی دعوت پیش کریں۔ انہیں انسانوں کے بنائے نظام جمہوریت کی کمزوریوں اور دھوکوں سے باخبر کریں اور اسلامی طرز زندگی کو اس دنیا اور آخرت کے لیے واحد طرز زندگی کے طور پر پیش کریں۔ انہیں اپنے نفس کو قابو میں رکھنا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی، تاکہ وہ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرلیں کہ جمہوریت کفر کا نظام ہے اور انسانیت کے لیے واحد راستہ اسلام کا راستہ ہی ہے۔ اسلام اپنے عقیدے اور طرز زندگی کے ساتھ تمام مسائل کا حل دیتا ہے جس کا انسانیت کو آج سامنا ہے۔ اسلام وحی پر مبنی نظام ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانیت پر نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا ایک کمزور اور انسانوں کے بنائے نظام جمہوریت سے حل ڈھونڈنے کی بجائے مسلمانوں کو، جو کہ بہترین امت ہے جسے انسانیت پر گواہ بنانے کے لیے لایا گیا ہے، رہنمائی کے منصب کو سنبھالنا ہوگا اور انسانیت کو انسانوں کے بنائے نظام جمہوریت اور سرمایہ داریت کی اندھیروں سے نکالنے کے منصوبے پر، اسلام کے روشنی میں کام کرنا ہوگا جو رنگ، نسل، ذات، قومیت اور مذہبی امتیاز سے بالاتر ہو کر انصاف قائم کرے گا۔ انہیں یہ کام رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلتے ہوئے کرنا ہوگا۔ انہیں لازمی جمہوریت کو مسترد کر کے اسلام کے سیاسی نظام، خلافت، کے منصوبے پر کام کرنا ہوگا تاکہ اسلام طرز زندگی کو بحال کیا جاسکے۔ اس منصوبے کو زندگی کا اہم ترین مقصد بنانا ہوگا اور اپنی کوششوں کو ایک ہی سمت میں یکجا کرنا ہوگا اور ایک ہی بار اس مقصد کے حصول کے لیے پوری قوت لگانی ہوگی۔

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا" (آل عمران 3:85)

ختم شد

علم حدیث میں جرح وتعدیل کے اصول

تحریر: عثمان عادل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک آئیڈیالوجی پر استوار بلند فکر قوم اس آئیڈیالوجی کا تحفظ کرتی ہے اور پروان چڑھاتی ہے جسے اس قوم نے اختیار کیا ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتی ہے ۔ کیونکہ یہ آئیڈیالوجی ہی اس کی طاقت کا راز ہوتی ہے۔ آئیڈیالوجی کے تحفظ کا اہم پہلو فاسد افکار اور تصورات کو اپنی آئیڈیالوجی میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ یہ اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس ثقافت کی حفاظت کی جائے کہ جس کا تعلق اس آئیڈیالوجی کی سمجھ سے ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسلام کے بحیثیت دین اور اپنی طاقت کے راز کے طور پر آگاہ تھے پس انہوں نے اسلام کی آئیڈیالوجی کے فکری ماخذ کو محفوظ بنانے کو حد درجے اہمیت دی۔ قرآن کو مصحف کی شکل دینے اور پھر مسلمانوں کو قریش کی قرآت پر جمع کرنے کا کام صحابہؓ کے دور میں ہی انجام پا گیا۔ جب یمامہ کی جنگ میں حفاظ کی بڑی تعداد شہید ہو گئی تو ابو بکرؓ کے دور خلافت میں قرآن کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کر دیا گیا۔ اور جب عثمان کے دورِ خلافت میں قرآت کے اختلاف کے نتیجے میں قرآن میں اختلاف کا خطرہ پیدا ہوا تو اسی مصحف سے جو زید بن ثابتؓ نے ابو بکر اور عمرؓ کے کہنے پر جمع کیا تھا اور جو ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس موجود تھا، قرآن کی سات نقلیں بنا کر اسے تمام اہم اسلامی علاقوں میں بھجوا دیا گیا۔ آئیڈیالوجی کا دوسرا ماخذ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اسے محفوظ بنانے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب دشمنانِ اسلام نے اسلام کے دوسرے بنیادی مآخذ پر ضرب لگانے کی کوشش کی اور جھوٹی احادیث کو گھڑ کر انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا، اور یہ کام بھی نبی ﷺ کی امت نے احسن طریقے سے سرانجام دے دیا۔

قرآن کی حفاظت کے سلسلے میں یہ بات واضح طور پر بیان کی جاتی ہے کہ اس کام کی سرپرستی ریاستِ خلافت نے خود کی تھی اور مسلمانوں کے حکمران خلفائے راشدین نے اس ذمہ داری کی اہمیت کو سمجھا تھا۔ مگر احادیث کے سلسلے میں یہ پہلو عام طور پر تذکرے سے خالی ہے۔ حالانکہ یہ کام بھی صرف امت نے نہیں بلکہ امت اور ریاست نے مل کر سرانجام دیا تھا۔ یعنی ریاست اس سازش کی خطرناکی سے غافل نہ تھی۔ چنانچہ وہ زنادقہ (زندیق کی جمع) جنہوں نے جھوٹی احادیث گھڑ کر امت میں پھیلائیں تھیں انہیں سزا دی گئی۔ جلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے کہ عبد الکریم بن ابی عوجاء جو جھوٹی احادیث گھڑا کرتا تھا اسے خلیفہ مہدی کے دورِ حکومت میں حدیثیں وضع کرنے کے جرم میں قتل کیا گیا اور سولی دی گئی۔ اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے چار ہزار جھوٹی احادیث گھڑی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا گیا ہے (تدریب الراوی)۔ اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک زندیق کو لایا گیا جس کا سر قلم کرنے کا فرمان صادر ہوا تو اس زندیق نے ہارون الرشید سے پوچھا کہ تم میری گردن کیوں مارو گے۔ ہارون الرشید نے جواب دیا: اللہ کے بندوں کو تمہارے شر سے نجات و راحت دینے کے لیے۔ اس زندیق نے کہا: مگر تم ان ایک ہزار حدیثوں سے تم کہاں راحت پا سکو گے جنہیں میں نے رسول ﷺ پر گھڑا ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا: فاین انت یا عدو اللہ من ابی اسحاق الفزاری و عبد اللہ بن المبارک ینخلانھا فیخرجانھا حرفا حرفا "اے اللہ کے دشمن! تو ابو اسحاق فزاری اور عبد اللہ بن مبارک سے کہاں غافل ہے جو تیری جھوٹی احادیث کو بھوسی کی طرح چھان کر اس کا ایک ایک حرف الگ کر دیں گے" (تھذیب التھذیب)۔ گویا احادیث کو جمع کرنے میں بھی ریاستِ خلافت کا براہِ

قرآن کی حفاظت کے سلسلے میں یہ بات واضح طور پر بیان کی جاتی ہے کہ اس کام کی سرپرستی ریاستِ خلافت نے خود کی تھی اور مسلمانوں کے حکمران خلفائے راشدین نے اس ذمہ داری کی اہمیت کو سمجھا تھا۔ مگر احادیث کے سلسلے میں یہ پہلو عام طور پر تذکرے سے خالی ہے۔ حالانکہ یہ کام بھی صرف امت نے نہیں بلکہ امت اور ریاست نے مل کر سرانجام دیا تھا۔ یعنی ریاست اس سازش کی خطرناکی سے غافل نہ تھی۔

راست عمل دخل تھا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز(م 101ھ) جو کہ تابعین کے دور سے ہیں، نے مدینہ کے گورنر قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ احادیثِ نبوی تلاش و جستجو کر کے انہیں لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہو جانے کا خوف ہے مگر تم صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو قبول کرنا(بخاری)، اسی طرح کے خطوط آپ نے دیگر والیوں کو بھی تحریر کیے۔(فتح الباری)

حزب نے اپنے نشر کردہ لیفلٹ "دخل المجتمع" میں بیان کیا ہے کہ ریاست ایک تنفیذی وجود ہوتی ہے جبکہ معاشرے میں پایہ جانے والا تکتل ایک فکری وجود ہے۔ پس تابعین، تبع تابعین ، ایک فکری وجود تھے کہ جنہوں نے اسلام کے فکری ماخذ کو کرپٹ ہونے سے بچانے کا بیڑا اٹھایا اور ریاستِ خلافت نے ایک تنفیذی وجود ہونے کے ناطے جھوٹی احادیث گھڑنے والوں کو سزا دے کر اس فتنے کا سدِ باب کرنے میں کردار ادا کیا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جھوٹی احادیث گھڑنے کی سازش کا آغاز کب ہوا تو یہ موقع اسلام دشمن عناصر کو اس وقت ملا جب اسلامی ریاست سیاسی انتشار کا شکار ہوئی، اور یہ صورتِ حال عثمانؓ کی شہادت کے بعد پیش آئی۔ اس سے قبل احادیث کی جانچ پڑتال کی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ صحابہؓ تمام کے تمام عادل و ثقہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے ۔ عثمانؓ کی شہادت کے بعد خود صحابہ نے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ اس بات کو دیکھیں کہ وہ کس سے حدیث لے رہے ہیں۔ ابو سکینہ مجاشی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے علیؓ کو کوفہ کی مسجد میں کھڑے ہو کر یہ فرماتے ہوئے سنا:انظروا عمن تاخذون هذا العلم فانما هو الدين"اس شخص کو پرکھ لو کہ

احادیث کے راویوں کی جانچ پڑتال کو اصطلاحی طور پر جرح وتعدیل کہا جاتا ہے۔ جَرح عربی میں زخمی کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اردو میں ہم جو لفظ جارحیت استعمال کرتے ہیں وہ اسی سے نکلا ہے۔ تاہم اصطلاحی طور پر اس سے مراد ہے کہ راوی یا شاہد میں ایسا وصف بیان کرنا جس کی وجہ سے اس کا قول نا قابلِ اعتبار ٹھہرے اور اس پر عمل کرنا باطل قرار پائے۔ جبکہ تعدیل عدل سے نکلا ہے جس کے لفظی معنی ہیں کسی کو اچھا و عادل یعنی upright قرار دینا۔ اور اصطلاحاً اس کے معنی ہیں ایسا وصف جو کسی راوی یا شاہد میں موجود ہو تو اس کی کہی ہوئی بات مان لی جائے اور قابلِ عمل ہو جائے۔

جس سے تم یہ علم حاصل کرتے ہو کیونکہ یہ دین ہے"۔ امام ابن سیرین بیان کرتے ہیں: لم يكونوا يسالون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا حالكم فينظر الى اهل السنة فيوخذ حديثهم و ينظر الى اهل البدع فلا يوخذ حديثهم "لوگ پہلے سند کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے مگر جب فتنہ وقوع پزیر ہوا تو کہتے: ہم سے اپنے رجال کے نام بتاؤ تو اگر رجالِ حدیث سنت پر کاربند لوگوں میں سے نظر آتے تو ان کی حدیث لی جاتی اور اگر اہلِ بدعت دکھائی دیتے تو ان کی روایت کی ہوئی حدیث نہ لی جاتی"(مقدمہ لسان المیزان)۔ یہاں فتنے سے مراد سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ ہے کہ جس کے بعد مسلمانوں کے درمیان جنگیں وقوع پزیر ہوئیں۔ جیسا کہ سعید بن مسیب(م 93) کا فرمان ہے: فلما وقعت الفتة الاولى يعنى مقتل عثمان فلم يبق من اصحاب بدر احدا"جب فتنہ اولیٰ یعنی عثمانؓ کے قتل کا واقعہ ہوا اس وقت (یعنی اس کے نتیجے میں) اصحابِ بدر میں کوئی باقی نہیں بچا"۔ شہادتِ عثمانؓ کے بعد مختلف فرقے اٹھے جن میں شیعہ اور خوارج شامل ہیں ، ان کے پیروکاروں نے مختلف رائے اپنائیں اور جب انہیں اپنی آرا کے متعلق کوئی شرعی دلیل نہ ملی تو انہوں نے احادیث گھڑ کر انہیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا۔

تاہم جھوٹی احادیث گھڑنے کے اس نمایاں سبب کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے، جیسا کہ بعض جاہل صوفیا نے خیر و بھلائی کے کاموں کی طرف لوگوں کو مائل و راغب کرنے کے لیے جھوٹی احادیث وضع کیں اور کچھ نے اہلِ علم اور عقل و دانش رکھنے والے لوگوں کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور بعض نے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے احادیث گھڑیں۔

احادیث کے راویوں کی جانچ پڑتال کو اصطلاحی طور پر جرح و تعدیل کہا جاتا ہے اور ان راویوں کے حالات کے علم کو علم الرجال کہا جاتا ہے ،جَرح: عربی میں زخمی کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اردو میں ہم جو لفظ جارحیت استعمال کرتے ہیں وہ اسی سے نکلا

ہے۔ تاہم اصطلاحی طور پر اس سے مراد ہے کہ راوی یا شاہد میں ایسا وصف بیان کرنا جس کی وجہ سے اس کا قول ناقابلِ اعتبار ٹھہرے اور اس پر عمل کرنا باطل قرار پائے۔ جبکہ تعدیل عدل سے نکلا ہے جس کے لفظی معنی ہیں کسی کو اچھا وعادل یعنی upright قرار دینا۔ اور اصطلاحاً اس کے معنی ہیں ایسا وصف جو کسی راوی یا شاہد میں موجود ہو تو اس کی کہی ہوئی بات مان لی جائے اور قابلِ عمل ہو جائے۔

جرح و تعدیل کی تمام تر بحث کا تعلق تابعین سے لے کر ان محدثین کے دور تک ہے کہ جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا، اس کا تعلق نہ اس سے قبل سے ہے اور نہ بعد سے۔ تابعین سے قبل اس وجہ سے نہیں کہ تابعین سے قبل صحابہؓ تھے۔ اور صحابہؓ کے متعلق کوئی بحث نہیں۔ کیونکہ صحابہؓ سب کے سب ثقہ ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کی عدالت شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور ان کا رسول اللہ ﷺ پر دروغ گوئی کرنا بعید از قیاس ہے۔ جرح و تعدیل کی بحث کا تعلق محدثین کے دور کے بعد سے اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے احادیث کو روایت کر کے قلمبند کر دیا اور زبانی روایت کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اس کے بعد احادیث پر جتنا بھی کام ہے وہ راویوں کے حالات، احادیث کو مختلف اقسام میں تقسیم کرنے، راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ قرار دینے کے اصول اور پیمانوں کو بیان کرنے اور مختلف احادیث پر حکم لگانے سے متعلق ہے، نہ کہ احادیث کو قلمبند کرنے سے متعلق۔

فن جرح و تعدیل کے ماہر محدثین تیسری صدی ہجری کے بعد سے لے کر نویں صدی ہجری تک ہر صدی میں موجود رہے اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ جیسا کہ 9ویں صدی ہجری کے جرح و تعدیل کے ماہرین میں حافظ ابن حجر عسقلانی، زین العراقی، برہان الدین حلبی، بدرالدین عینی، امام سخاوی کے نام نمایاں ہیں۔

صحابہ کا دور 11 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے وصال سے لے کر 100 ہجری تک کا ہے۔ طویل ترین عمر والے صحابہ میں، سہل بن سعدؓ اور انس بن مالکؓ شامل ہیں۔ انس بن مالکؓ نے 103 سال کی عمر میں 91 یا 92 یا 93 ہجری میں بصرہ میں وفات پائی۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی باقی ہے یا نہیں تو انسؓ نے جواب دیا: صحابی تو کوئی نہیں، البتہ دیہات کے چند بدو باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے۔ جبکہ عامر بن واثلہ نے 110 ہجری میں مکہ میں وفات پائی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ آج میرے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ صحابہؓ کے دور کے بعد تابعین کا دور ہے، تابعین وہ ہیں جنہوں نے صحابہ سے ملاقات کی اور ان سے احادیث روایت کیں، ان میں بھی جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والوں کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ تاہم انہوں نے روایت کرنے میں اور ان کی تشریح کرنے میں غلطیاں کیں۔ تابعین کا دَور دوسری صدی ہجری کے اخیر تک چلتا ہے۔ حافظ سخاوی جو کہ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں اپنی کتاب فتح المغیث میں بیان کرتے ہیں کہ خلف بن خلیفہ آخری تابعی ہیں جن کے بعد تابعین کے وجود سے دنیا خالی ہو گئی اور ان کی وفات 181ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد تبع تابعین کا دور ہے۔ 150 ہجری سے 180 ہجری کے لگ بھگ تابعین کے خاتمے کا دور ہے اور یہ تبع تابعین کا ابتدائی دور ہے اور تبع تابعین کا یہ دور تیسری صدی کے شروع تک رہا۔ اور پھر تیسری صدی ہجری میں احادیث کی وہ کتابیں لکھی گئیں جو کہ مشہور و معروف اور مرجع حدیث ہیں یعنی بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد بن حنبل، مسند ابو داؤد، دارمی وغیرہ۔ گو کہ احادیث کو صحیفوں اور کتابی شکل میں اس سے قبل تابعین اور تبع تابعین نے بھی قلمبند کیا ہے۔ وہ آخری محدث جنہوں نے براہِ راست راویوں سے حدیث روایت کر کے قلمبند کی وہ امام بیہقی ہیں جن کا سنِ وفات 458 ہجری ہے۔

کس دور میں کون کون سے محدثین، کتب السیر کے مولفین اور آئمہ مجتہدین موجود تھے، مندرجہ ذیل سے اس کا ایک خاکہ مل سکتا ہے:

دوسری صدی ہجری

حسن بصری	م110ھ
ابن سیرین	م110ھ
شہاب زہری	م124ھ
موسیٰ بن عقبہ	م145ھ
امام ابو حنیفہ	م150ھ
امام مالک بن انس	م179ھ
امام عبداللہ بن مبارک	م181ھ

تیسری صدی ہجری

امام ادریس شافعی	م204ھ
ابنِ ہشام	م218ھ
ابن سعد	م230ھ
امام احمد بن حنبل	م241ھ
امام عبدالرحمن بن عبداللہ دارمی	م255ھ
امام محمد بن اسماعیل بخاری	م256ھ
امام مسلم	م261ھ
امام ابن ماجہ	م273ھ
امام ابو داؤد	م275ھ
امام ابو عیسیٰ ترمذی	م279ھ

اس تمام تمہید کے بعد ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں کہ احادیث کے راویوں کی جانچ پڑتال یعنی جرح و تعدیل کے متعلق حزب کی رائے کیا ہے۔ یہ چیز واضح ہے کہ حزب صحیح حدیث کو دلیل کے طور پر لیتی ہے اور ضعیف احادیث سے استدلال نہیں کرتی۔ تاہم مسئلہ اس وقت پیش آتا ہے کہ جب شباب ایک حدیث بیان کرتے ہیں تو کسی مکتبہ فکر کے لوگ یہ کہتے ہے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں کیونکہ جو حدیث آپ نے بیان کی وہ ضعیف ہے، فلاں فلاں محدث نے اسے ضعیف کہا ہے۔ جیسا کہ ایک بحث واقدی کے متعلق ہے کہ جن سے محمد بن سعد نے روایت کیا ہے اور یوں سیرت کا ایک قبلِ ذکر حصہ واقدی سے مروی ہے، یا وہ احادیث جو پہننے والے زیورات پر زکوٰۃ نہ ہونے سے متعلق ہیں یا اس حدیث سے متعلق کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اتباع کروگے ہدایت پائے گے یا پھر ملکیت عامہ کے متعلق حدیث جسے شباب اکثر بیان کرتے ہیں مگر بعض لوگ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

دوسری طرف ہمیں پاکستان میں ایسے لوگ نظر آتے ہیں کہ وہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہر حدیث کو قبول کرکے، صحیح و ضعف کی بحث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان احادیث سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے وہ رجحانات اور رسومات جنہیں انہوں نے دین کے طور اختیار کر رکھا ہے، کی گنجائش نکل سکے۔ اور یہ سوال بہر حال ذہن میں اٹھتا ہے کہ کیا صحاح ستہ میں بیان کردہ تمام احادیث کو درست تسلیم نہیں کرلینا چاہئے، خاص طور پر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ محدثین نے احادیث کو چھان پھٹک کر قبول کیا تو کیا ہمیں ان آئمہ محدثین کی تحقیق کے اوپر کسی اور کی تحقیق کو قبول کرنا چاہئے۔ جبکہ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے آئمہ مجتہدین کے اجتہادات اوران کے شاگردوں کی مرتب کردہ فقہ کو بے وقعت کرنے کے لیے احادیث کا پیمانہ انتہائی سخت بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ فقہ کی کتابوں میں منقول احادیث کو مسترد کرسکیں اوراپنی مخصوص آرا کے علاوہ باقی تمام کو رد کرسکیں۔ اور ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے عملی طور پر اسلام کو عقائد، عبادات، اور چند معاملات تک محدود کر دیا ہے، اوراسلام کے نظاموں اور ریاستی پالیسیوں کی بحث سے ہاتھ جھاڑ لیے ہیں۔ تاریخی طور پر ان کے اس طرزِ عمل سے عدم اخلاص کی بُو آتی ہے۔

درست طرز عمل یہ ہے کہ ہمیں احادیث کو مسترد کرنے میں ضروت سے زیادہ سخت نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ہمیں احادیث کی جانچ میں غفلت اور لاپرواہی کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے کہ جن کے ضعیف ہونے میں محدثین کا اختلاف ہو، کچھ لوگ اس کو ضعیف قرار دے کر اس سے استدلال نہ کرتے ہوں اور کچھ لوگ اس کو قابل استدلال سمجھ رہے ہوں۔ تو عموماً ایسا دو وجوہات سے ہوتا ہے کہ

کچھ محدثین کچھ راویوں کو مجہول (غیر معروف) سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے محدثین انہی راویوں کو معروف سمجھتے ہیں۔

یا کچھ محدثین کچھ راویوں کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے محدثین انہی راویوں کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

اگر کچھ محدثین نے کسی راوی کو مجہول سمجھا جبکہ کسی اور محدث نے اسے معروف سمجھا یعنی اُس نے اس راوی کی شناخت کر دی اور اس کا ثقہ ہونا بیان کر دیا، تو جب یہ صورت حال ہو تو اب وہ راوی مجہول یعنی نامعلوم نہیں رہا۔ پس اگر تمام دیگر محدثین ایک راوی کو نہ جانتے ہوں اور ایک محدث اس راوی کو جانتا ہو اور اسے اس کی ثقاہت پر اطمینان ہو تو یہ اس حدیث کو قبول کرنے کے لیے کافی ہے۔ بشرطیکہ اس حدیث کو مسترد کرنے کی کوئی اور وجہ موجود نہ ہو۔ اور یہی معاملہ ان احادیث کا ہے کہ جن میں ایک محدث کے نزدیک ایک راوی کا اپنے اوپر والے راوی سے سننا ثابت نہ ہو جبکہ دوسرے محدث کے نزدیک سماعت ثابت ہو۔ یہ تو کسی راوی کے مجہول یعنی غیر معروف ہونے کے متعلق تھا، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کچھ محدثین کچھ راویوں کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے محدثین انہی راویوں کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے تو یہاں ایک ہی راوی کی جرح اور تعدیل میں اختلاف ہے۔ یعنی کچھ اس راوی پر جرح کر رہے ہیں اور غیر ثقہ قرار دے رہے ہیں اور کچھ اس راوی کی تعدیل کرکے اسے قابلِ قبول قرار دے رہے ہیں۔ تو اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ جرح مُفسر تعدیل پر مقدم ہے۔ اور جرح غیر مفسر پر تعدیل مقدم ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب ایک محدث نے کسی راوی پر جرح کی ہو کہ اور اسے ضعیف بتلایا ہو اور یہ بھی بیان کیا گیا ہو کہ اس کی وجہ کیا ہے مثال کے طور پر کہ فلاں راوی جان بوجھ کر جھوٹ بولتا تھا، یا فاسق تھا، یا اہلِ بدعت میں سے تھا، یا اس کا حافظہ بہت کمزور تھا، یا وہ کثرت سے غلطیاں کرتا تھا، یا اس کی بیان کردہ احادیث اُن راویوں کی بیان کردہ احادیث سے متعارض ہیں جو کہ اپنی ثقاہت میں مشہور ہیں، تو یہ جرح مفسر ہے اور اس بنا پر اس راوی کو عادل اور ضابط کہنے والوں کی رائے کو رد کیا جائے گا، لیکن اگر محدث نے کسی راوی پر جرح کی ہو اور اسے ضعیف قرار دیا ہو مگر وجہ بیان نہ کی ہو تو یہ جرح غیر مفسر ہے، اس جرح

کو قبول نہیں کیا جائے گا اور تعدیل کو مقدم کیا جائے گا۔ پس آئمہ حدیث کا جرح کا سبب ذکر کیے بغیر یہ کہنا کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے، یا منکر ہے، یا فلاں راوی مجروح ہے، یا عادل نہیں، تو یہ جرح قابلِ قبول نہیں۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ بعض محدثین نے مختلف راویوں کو کسی ایسی وجہ سے بھی مجروح قرار دیا ہے جو حقیقت میں ان راویوں کو غیر ثقہ نہیں بناتا۔ مثلاً خطیب بغدادی نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی کو ایک شخص کے متعلق خبر ملی کہ اس نے ایک راوی کو مجروح ٹھہرایا ہے تو آپ نے اس سے جرح کا سبب دریافت کیا۔ جرح کرنے والے نے کہا میں نے اسے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ اسے مجروح ٹھہرایا جائے۔ اس نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ وہ جب کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے تو اس کے جسم اور کپڑے پر پیشاب کی چھینٹیں پڑتی ہیں پھر وہ اسی حال میں نماز پڑھتا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: کیا تم نے اس حال میں اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے ؟تو اس نے کہا: نہیں۔ یعنی گویا امام شافعی کے نزدیک یہ جرح درست نہیں۔ اسی طرح امام شعبہ سے دریافت کیا گیا کہ فلاں کی حدیث آپ نے ترک کیوں کر دی تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اسے جوتے میں ایڑ (spur) لگا کر ترکی گھوڑے پر سوار دیکھا تو اس کی روایت کی ہوئی حدیث ترک کر دی۔ اسی طرح امام شعبہ منہال بن عمرو کے پاس آئے تو ان کے گھر سے ایک آواز سنائی دی، وہ آواز ستار یا لحن کے ساتھ قرآت کی آواز تھی، اس بنا پر انہوں نے منہال کی روایت کو ترک کر دیا۔ حکم بن عتیبہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے زاذان سے روایت کیوں نہیں کی تو آپ نے جواب دیا وہ بہت زیادہ بولتے تھے۔ جرید بن عبد الحمید نے سماک بن حرب کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو ان کی روایت کو ترک کر دیا۔ تو یہ اور اس جیسی دیگر وجوہات کسی راوی کو غیر معتبر قرار دینے کے لیے کافی نہیں۔

جرح وتعدیل کرنے والے کا خود بھی علم و تقویٰ کا حامل اور جرح و تعدیل کے اسباب سے واقف ہونا ضروری ہے۔ مشہور محدث حافظ ذہبی جارح اور معدل کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر تمہیں خود اپنی فہم صداقت، دین داری اور ورع پر اطمینان ہو تو جرح کرو ورنہ یہ کام نہ کرو۔ اگر تم پر نفسانیت، عصبیت اور کسی خاص رائے اور مذہب کی بے حمایت و جانب داری غالب ہو تو اللہ کے واسطے مشقت مت اٹھاؤ۔ اور اگر تم اپنے متعلق یہ جانتے ہو کہ تم خلط ملط کر دیتے ہو، خبط باز ہو اور اللہ کی حدود کو ترک کرنے والے ہو تو ہمیں اپنی ذات سے نجات اور راحت دو (تذکرہ حفاظ)

> محدثین نے احادیث کو محض اس لیے جمع نہیں کیا تھا کہ کیونکہ انہیں یہ علمی نوعیت کا کام پسند تھا اور وہ صرف اپنے پاس رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے اقوام جمع کرنا چاہتے تھے، بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ کا اسوۃ حلال و حرام کو طے کرنے کے لیے دلیل ہے۔ تو یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ اگر یہ گمان کیا جائے کہ محدثین کو تو احادیث کے صحیح اور قابلِ قبول ہونے کی پرواہ تھی مگر وہ مجتہدین کہ جنہوں نے ان احادیث کی بنیاد پر حلال و حرام کا استنباط کرنا تھا، انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کونسی حدیث لے رہے ہیں اور کس سے لے رہے ہیں۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے کہ جنہیں مجتہدین نے اپنی کتابوں میں مسائل کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے تو وہ بھی قابلِ قبول ہیں۔ کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ضرور اس مجتہد کے نزدیک اس حدیث سے حکم کا استنباط درست تھا اور ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ ایک مجتہد ایک حدیث کو دلیل کے طور پر استعمال کرے جبکہ وہ دلیل کے درجے سے گری ہوئی ہو اور اس کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہونا ثابت نہ ہو۔ آئمہ مجتہدین کی فقہ کی کتابوں میں بیان کردہ احادیث کو یکسر مسترد کر دینا احادیث کو جمع کرنے کے محرک و مقصد کے ہی خلاف ہے۔ محدثین نے احادیث کو محض اس لیے جمع نہیں کیا تھا کہ کیونکہ انہیں یہ علمی نوعیت کا کام پسند تھا اور وہ صرف اپنے پاس رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے اقوام جمع کرنا چاہتے تھے، بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ کا اسوۃ حلال و حرام کو طے کرنے کے لیے دلیل ہے۔ تو یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ اگر یہ گمان کیا جائے کہ محدثین کو تو احادیث کے صحیح اور قابلِ قبول ہونے کی پرواہ تھی مگر وہ مجتہدین کہ جنہوں نے ان احادیث کی بنیاد پر حلال و حرام کا استنباط کرنا تھا، انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کونسی حدیث لے رہے ہیں اور کس سے لے رہے ہیں۔ ایک حدیث سے مجتہدین کا استنباط کرنا خاص طور پر آئمہ مجتہدین کا اور اکثر مجتہدین کا اسے دلیل کے طور پر استعمال کرنا اس بات پر اطمینان پیدا کرتا ہے کہ اسے دلیل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور ایسی احادیث حسن کے درجے میں ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقہ اور

اصول کی کتابوں میں بیان کردہ تمام تر احادیث قابل قبول ہیں۔ بلکہ اس حدیث کو دیکھنے کے ضرورت ہے کہ اس کا ضعف کس نوعیت کا ہے۔ اگر تمام محدثین اس حدیث کے ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں تو اس حدیث کو اس بنا پر نہیں لیا جائے گا کہ مجتہدین نے اس سے استدلال کیا ہے اور عام طور پر صورتِ حال یہ ہے کہ جس حدیث کا ضعیف ہونا محدثین میں معروف و متفق ہے مجتہدین اس سے استدلال ہی نہیں کرتے۔ لیکن جس حدیث کے ضعیف ہونے کے متعلق محدثین میں اختلاف ہے، مجتہدین کی طرف سے اس حدیث کا استعمال اور تقویت کے دیگر شواہد اس کے ضعف کو دور کر دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ حدیث کے بعض علماء کے نزدیک ضعیف ہے تو یہ کافی نہیں کہ اسے ایک طرف ڈال دیا جائے اور اس سے استدلال نہ کیا جائے بلکہ اس کے ضعف کے اسباب کے بارے میں بحث کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا مجتہدین نے اس کو استعمال کیا ہے یعنی قابل اعتبار مجتہدین اور فقہاء نے یا کیا اس کے ایسے شواہد اور پیروی ہے یا نہیں کہ جس سے اس کا ضعف دور ہو جاتا ہو، کیا حدیث کے تمام علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے؟ یا اس کے ضعیف ہونے کے اسباب میں اختلاف کیا ہے۔ اس سب کی چھان بین سے ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائے یہ استدلال نہ کیا جائے۔

میں اپنی بات کا اختتام اس نکتہ پر کرتا ہوں کہ اسلامی علوم یعنی، فن حدیث، فن تفسیر، فنِ سیرت، عربی زبان، فقہ، اصول اور تاریخ پر بیش قدر کتابیں موجود ہیں جو ہمیں نہ صرف اسلام کے احکامات سے آگاہ کرتی ہیں اور اسلام کے نظاموں سے متعلق ہماری سمجھ میں اضافہ کرتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس فکری انقلاب کی داستان بھی سناتی ہیں جو اسلام کی آئیڈیالوجی کے نفاذ نے برپا کیا تھا۔ مسلمانوں نے کئی علوم و فنون کی بنیاد رکھی اور ہر فن میں ماہرین پیدا کیے۔ یہ ماہرین سینکڑوں میں نہیں، ایک دو ہزار نہیں بلکہ ہزاروں میں تھے۔ اسلام کا علمی سرمایہ کسی بھی قوم سے زیادہ ہے۔ اور اس امت کی علمی خدمات کسی بھی قوم سے زیادہ ہیں۔ اور کسی قوم نے اپنی آئیڈیالوجی کی تشریح اور تفصیلات کو اتنی شرح وبسط کے ساتھ بیان نہیں کیا جیسا کہ مسلمانوں نے کیا تھا۔ اور کسی آئیڈیالوجی نے اپنے ماننے والوں کو اس آئیڈیالوجی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اس قدر متحرک نہیں کیا جتنا اسلام کی آئیڈیالوجی نے کیا تھا۔ اسلامی علوم کا تفصیلی مطالعہ جہاں ہمیں اسلام کو بہتر سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اعتماد میں اضافہ کرتا ہے کہ جب یہ آئیڈیالوجی دوبارا نافذ ہو گی تو دوبارا کیسا فکری ماحول جنم دے گی۔ اس لیے ہمارے لیے فائدہ مند ہے کہ ہم ان اسلامی علوم میں کی گئی کاوشوں کا مطالعہ کریں تبھی ہم اس ماحول کا تصور ذہن میں لا سکیں گے جو صدی در صدی امت مسلمہ میں موجود رہا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج سیکولر طبقے نے اسلام کے ماضی کے تذکرے کو خلفا کے چند واقعات اور گنی چنی قبیح مثالوں تک محدود کر دیا ہے اور ان سرچشموں سے امت کے بیٹوں کی نظر کو پھیر دیا ہے کہ جن سے انہیں اپنے آپ کو سیراب کرنا چاہئے تھا، پس امت کے یہ بیٹے اپنی فکری و علمی پیاس بجھانے کے لیے یورپ کی بیمار اور sickening تاریخ اور فلسفوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کو معیار و مرجع بنا کر خود بھی بیمار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی بیمار کرتے ہیں۔ لیکن الحمد للہ اس امت میں حزب جیسی جماعت موجود ہے کہ جس نے اپنے پیروکاروں کے لیے ایسی ثقافت ترتیب دی ہے جو انہیں اس بات میں رہنمائی مہیا کرتی ہے کہ انہوں نے افکار و علوم کے بے کراں سمندر میں سے کن موضوعات کا مطالعہ کرنا ہے ورنہ ان علوم کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر ہم خود انفرادی طور پر ان علوم کی معرفت حاصل کرنے کے لیے میدان میں اترتے تو شاید ایک یا چند علوم کی معرفت حاصل کرنے اور اس میں سے صحیح و غلط اور مضبوط اور کمزور کی تمیز کرنے میں ہی ہماری زندگی صرف ہو جاتی۔ اللہ امتِ مسلمہ کو جلد وہ خلافت عطا کرے جو اس تمام میل کچیل کو دھو ڈالے گی جس نے مسلمانوں کو فکری طور پر منتشر کر دیا ہے اور ان کے ذہنوں سے اسلام کی اعلیٰ سمجھ کو دھندلا دیا ہے۔ میں اپنی بات کا اختتام اس روایت پر کرتا ہوں: کثیر بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابو درداؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابو درداء! میں آپ کے رسول کے شہر مدینہ طیبہ سے صرف ایک حدیث کو جاننے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا: اس کے علاوہ کسی اور حاجت کے لیے تو نہیں آئے؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت ابو درداء نے فرمایا: اور کسی تجارت کے لیے بھی نہیں آئے ہو؟ اس شخص نے کہا: نہیں۔

بقیہ صفحہ 25 پر

اے بھارت کے مسلمانو! خود پر سے اقلیت کا لگا لیبل اُتار پھینکو، مسلمان ہونے پر فخر کرو!

تحریر: حمید بن احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دسمبر 2019 میں بھارت نے ایک قانون منظور کیا ہے جسے شہریت ترمیمی ایکٹ کہا جاتا ہے، جس کے تحت ہمسایہ ممالک کے مسلمانوں کے علاوہ ان کی مذہبی اقلیتوں کو بھارت کی شہریت دی جاسکے گی۔ یہ نیا قانون 1955 کے قانون میں ترمیم ہے اور اس کے ذریعے بنگلادیش، افغانستان اور پاکستان میں "ظلم کی شکار" اقلیتوں: ہندو، سکھ، بدھسٹ، جین، پارسی اور عیسائی بھارتی شہریت حاصل کر سکیں گے لیکن اس میں مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ قانون بھارتی پارلیمنٹ سے حکمران ہندو قوم پرست بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) نے منظور کرایا اور صدر رام ناتھ کووند نے 12 دسمبر 2019 کو اس کی توثیق کی۔ یہ قانون جب نیشنل رجسٹر آف سیٹیزن (این آر سی) سے جوڑا جاتا ہے تو غیر مسلموں کو بھارت کی شہریت فراہم کرتا ہے جبکہ مسلمانوں کو بھارتی شہریت سے محروم کرکے انہیں بے ریاست کر دیتا ہے۔ حزب اختلاف کی جماعتیں کہتی ہیں کہ یہ قانون امتیازی ہے کیونکہ یہ قانون 130 کروڑ کے سیکولر ملک میں مسلم اقلیت کو خصوصی طور پر نشانہ بناتا ہے۔ مسلمان بھارت کی آبادی کا تقریباً پندرہ فیصد ہیں۔ ناقدین اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ اس قانون کو لانے کے پیچھے ہندوتا ایجنڈا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو نشانہ بنا کر غیر مسلموں کے ووٹوں کو پکا کرنا مقصود ہے۔ اس ایجنڈے پر وزیر اعظم مودی کی حکومت اس وقت سے عمل پیرا ہے جب وہ چھ سال قبل اقتدار میں آئی تھی۔ اس قانون کے خلاف بہت مظاہرے ہو چکے ہیں جس میں کئی مظاہرے طلبہ نے کیے خصوصاً جامعہ ملیہ اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ کے مظاہرے قابلِ ذکر ہیں۔ سوشل میڈیا پر ایسی کئی ویڈیوز چل رہی ہیں جس میں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح پولیس افسران اور کئی دوسرے افراد کسی مسلمان مرد، عورت یا بچے کو ظالمانہ طریقے سے پیٹ رہے ہیں۔ اس صورتحال اور مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دینے والے ایسے قانون کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، بائیں بازو اور اور بائیں بازو کے قریب سمجھے جانے والی سیاسی جماعتوں (یو پی اے) نے خود کو مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کرنے والوں کے طور پر پیش کیا تا کہ وہ مسلمانوں کے ووٹ لے کر اگلے انتخابات جیت سکیں۔ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے یہ صورتحال ویسی ہے جس کا سامنا وہ اس وقت سے کرتے چلے آرہے ہیں جب بھارت کو 1947 میں آزادی دی گئی تھی۔ مسلمانوں کو محض ووٹ بینک کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ووٹ بینک کی سیاست بھارتی جمہوریت کی ایک عام خصوصیت ہے بالکل ویسے ہی جیسے دنیا کی تمام جمہوریتوں میں ووٹ بینک کی سیاست کی جاتی ہے۔

اس تمام ڈرامے اور بظاہر کبھی نا ختم ہونے والے مسائل کے تناظر میں مسلمانوں کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ ایک مکمل حل کے لیے ایک مخصوص راستے پر مکمل اعتماد کے ساتھ چلیں۔ جب رستے کا تعین کیا جارہا ہو تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان سوالات کے جواب تلاش کریں کہ: کیا مسلمان ایسے مظاہروں سے دور رہیں جو قوم پرستی، سیکولرازم اور جمہوری آئین کو بچانے کے نام پر کیے جارہے ہیں اور خود کو سیاسی نظام سے الگ تھلگ کرلیں؟ یا یہ کہ وہ مزید ان مظاہروں میں حصہ لیں اور جمہوری نظام کا حصہ بن کر اپنے لیے کوئی راہ نکالیں؟ یا موجودہ مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی متبادل حل ڈھونڈیں؟

جمہوریت کی حقیقت:

جمہوری نظام، جس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ یہ: لوگوں کی حکمرانی ہے"، ایک 2500 سال قدیم نظریہ ہے جو 600 قبل مسیح میں یونان میں سامنے آیا تھا۔ یہ ایک سیاسی نظام ہے جو انسانی ذہن کی پیداوار ہے اور یہ قانون سازی کے لیے انسانی ذہن پر ہی انحصار کرتا ہے۔ لیکن انسانی ذہن کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محدود صلاحیت رکھتا ہے، وہ زندگی کے مقصد کا ادراک نہیں کر سکتا، وہ اس بات کا ادراک نہیں کر سکتا کہ زندگی سے پہلے کیا تھا اور اس کے بعد کیا ہے، اور وہ اس بات کا بھی ادراک نہیں کر سکتا کہ کیا مکمل طور پر اچھا ہے اور کیا مکمل طور پر برا ہے۔ لہٰذا مسلم امت کے لیے یہ جاننا ضروری ہے جو انسانیت پر گواہ بنائی جائے گی کہ کیا انسانوں کے بنائے فریبی نظام سے دور رہنا ہے یا اس کا حصہ بننا ہے یا پھر یہ کہ آگے بڑھنے کے لیے کوئی متبادل راستہ ڈھونڈنا ہے تا کہ موجودہ مسائل کو حل کیا جاسکے۔

اسلامی نقطہ نظر:

جمہوریت ایسا نظام حکمرانی ہے جو کفر عقیدے سے پھوٹتا ہے جسے سیکولر ازم کہتے ہیں۔ سیکولر ازم اس بات پر زور دیتا ہے کہ مذہب اور رب معاشرے کے سیاسی امور میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے اور معاشرے کے لوگوں کو یہ طاقت دیتا ہے کہ

وہ اپنی عقل کی بنیاد پر قوانین بنائیں۔ لہٰذا لوگ اپنے نمائندے چنتے ہیں کہ وہ حکومت بنائیں اور ان کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے معاشرے کے لیے قانون سازی کریں۔ اس طرح اقتدار اعلیٰ اور اختیار اللہ کا نہیں بلکہ انسانوں کا ہے جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا کہ، ﴿**إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ**﴾ **"حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے"** (الانعام 6:57)۔

جمہوریت میں انسان قوانین بناتا ہے اور اس طرح وہ کردار ادا کرتا ہے جو صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہی خاص ہے۔ زندگی کے متعلق اس نقطۂ نظر اور سیکولر عقیدے کی وجہ سے اللہ کی ربوبیت صرف بندوں کی ذاتی زندگی تک محدود ہے اور معاشرتی امور میں اللہ کے کردار کو ختم کر دیا گیا ہے کیونکہ وہاں انسان اپنے محدود علم اور ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ قانون سازی کرتا ہے اور معاشرے کے لیے حلال و حرام کا تعین کرتا ہے۔ یہ وہ خاص عمل ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت کی ہے جیسا کہ عدی بن حاتمؓ والی حدیث میں بتایا گیا ہے۔ عدی بن حاتمؓ نے روایت کی کہ، "میں نے انہیں (آپ ﷺ) کو سورۃ توبہ کی یہ آیت تلاوت کرتے سنا، ﴿**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ**﴾ "انہوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا" (التوبہ 9:31) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «**بَلَى إِنَّهُمْ حَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ وَأَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ فَذَلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُم**» "جہاں تک ان (یہود و عیسائی) کا تعلق ہے تو وہ ان (اپنے علماء) کی عبادت نہیں کرتے بلکہ جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو حلال کر دیتے ہیں تو وہ اسے حلال سمجھتے ہیں اور جب وہ کوئی چیز ان کے لیے حرام کر دیتے ہیں تو وہ اسے حرام سمجھتے (یہی ان کا عبادت کرنا تھا)" (سنن ترمذی)۔

اس حدیث سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کی جگہ دوسروں کو قانون سازی کا اختیار دینا درحقیقت اللہ کی حاکمیت کا انکار ہے۔ اسلامی عقیدہ یہ لازم قرار دیتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں، چاہے ان کا تعلق ذاتی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے، صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہی شارع سمجھا جائے۔ اسلام میں اقتدار اعلیٰ اور قانون سازی صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہی حق ہے جبکہ حکمران (خلیفہ) کو منتخب کرنے کا حق لوگوں کا ہے۔ یہ ہے بنیادی فرق جمہوریت میں جو سیکولرازم کے عقیدے پر مبنی ہے اور خلافت میں جس کی بنیاد اسلامی عقیدہ ہے۔

مسلمانوں کو ہمیشہ اس تصور کا حامل ہونا چاہیے جو ربیع بن عامرؓ نے سلطنت فارس کے فوجی کمانڈر رستم کے سامنے پیش کیا تھا۔ رستم نے ربیع بن عامرؓ سے پوچھا تھا کہ ان کا مقصد کیا ہے اور وہ کیوں فارس آئے ہیں؟ ربیعؓ نے فرمایا، "اللہ عزوجل نے ہمیں بھیجا ہے کہ تمہیں مخلوق کی عبادت سے ہٹا کر مخلوق کو بنانے والے خالق کی عبادت کی طرف لے آئیں اور تمہیں اس دنیا کی تنگی سے نکال کر اس دنیا اور آخرت کی وسعتوں سے ہمکنار کر دیں اور تمہیں دیگر مذاہب کے ظلم سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف سے روشناس کرا دیں۔ اللہ عزوجل نے ہمیں بھیجا ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کی عبادت کرنے سے بچائیں"۔

مسلمان کس طرح جواب دیں؟ پہلی

اور لازمی بات یہ ہے کہ بھارت میں مسلمان 1947 میں بھارت کو ملنے والی آزادی کے بعد سے خود پر لگے اقلیتی لیبل سے پیدا ہونے والی احساس کمتری سے نکلیں۔ اس ٹھپے کے زیر سایہ مسلمان احساس کمتری اور خوف کے سائے میں رہنے پر مجبور ہیں۔ انہیں اس احساس کمتری سے نکلنا ہوگا اور خود کو فخر سے صرف اور صرف مسلمان کے طور پر شناخت کرانا ہوگا اور انہیں یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ انسانیت کے رہنما ہیں، وہ رہنما جو اس راہ کی جانب لے جاتے ہیں جس کو روشن انسانیت کے خالق نے کیا ہوا ہے۔ انہیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بھارت آج جہاں کھڑا ہے اس میں سب سے زیادہ حصہ مسلمانوں نے ڈالا ہے جنہوں نے اس زمین پر 10 صدیوں تک حکمرانی اور اس کے لوگوں پر اسلامی شریعت نافذ کی تھی۔

مسلمانوں کو ہمیشہ اس تصور کا حامل ہونا چاہیے جو ربیع بن عامرؓ نے سلطنت فارس کے فوجی کمانڈر رستم کے سامنے پیش کیا تھا۔ رستم نے ربیع بن عامرؓ سے پوچھا تھا کہ ان کا مقصد کیا ہے اور وہ کیوں فارس آئے ہیں؟ ربیعؓ نے فرمایا، **"اللہ عزوجل نے ہمیں بھیجا ہے کہ تمہیں مخلوق کی عبادت سے ہٹا کر مخلوق کو بنانے والے خالق کی عبادت کی طرف لے آئیں اور تمہیں اس دنیا کی تنگی سے نکال کر اس دنیا اور آخرت کی وسعتوں سے ہمکنار کر دیں اور تمہیں دیگر مذاہب کے ظلم سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف**

بقیہ صفحہ 25 پر

سوال وجواب: انتظامی قوانین، بشمول ٹریفک قوانین اور اس سے متعلق حکم شرعی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:

منجانب: یوسف آلیش زین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے شیخ! اللہ آپ کو صحت مند اور اپنی رحمت میں رکھے، اور آپ کو اور ہمیں نبوت کے نقشِ قدم پر ریاستِ خلافت کی اسلامی حکومت عطا فرمائے۔

ہمارے ملک میں کئی ٹریفک حادثے ہوئے جن میں کئی جانیں بھی گئیں۔ ہمیں ہدایت کی گئی کہ ڈرائیور اور سواریوں کے حفاظت کے پیشِ نظر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی نہ کریں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قوانین نہ تو اسلامی ہیں نہ ہی ان کی کوئی اسلامی نصوص سے بنیاد ہے، کیونکہ ہم پر نافذ تمام قوانین غیر اسلامی ہیں، بشمول ٹریفک قوانین کے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ یہ قوانین شریعت پر مبنی ہیں اور ان کی خلاف ورزی جائز نہیں اور اسی سے یہ بحث شروع ہوئی۔

کیا ان ممالک میں جن میں حکومت اسلام کے علاوہ کی جا رہی ہے، ان ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی ناجائز ہے، چاہے مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم؟ کیا ان کے لیے دلائل ہیں؟ جزاک اللہ۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آغاز میں، میں آپ کی دعا کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ خیر سے آپ کو جزا دے اور تمام مسلمانوں کو فتح اور طاقت بخشے۔ باذنِ اللہ ، آپ کے سوال سے متعلق، وضاحت کچھ یوں ہے:1۔ قانون کی تعریف ہے: "احکامات کا مجموعہ جو اہلِ اقتدار لوگوں پر باہمی تعلقات میں عمل درآمد کیلئے نافذ کرتے ہیں"۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمران یا ریاست کچھ قوانین لیتی ہے اور انہیں اختیار کرتی ہے اور حکم دیتی ہے کہ ان پر عمل درآمد کیا جائے اور یہ قوانین، حکمران یا ریاست کے جانب سے اختیار ہونے کے بعد، شہریوں پر لازم ہو جاتے ہیں۔

ہم نے یہ معاملہ اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور میں "مقدمۂ دستور" جلد اول، دفعہ 36 میں سے کچھ بیان کرنا چاہوں گا جو خلیفہ کے اختیارات سے متعلق ہے:ا۔ خلیفہ ہی ان احکامات کی تبنی کرتا ہے جو لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے لیے ضروری ہیں اور یہ تبنی کتاب وسُنت سے صحیح اجتہاد کے ذریعے مستنبط کردہ احکامات کی ہوتی ہے تاکہ یہ احکامات قوانین بن جائیں پھر ان پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں۔

2۔ ان قوانین کو لاگو کرنا شریعت میں جائز ہے اور یہ خلیفہ کے ذریعے سے ہوتا ہے کیونکہ شریعت نے قوانین کو اختیار کرنے اور لوگوں کو اس پر چلانے کا اختیار خلیفہ کو دیا ہے۔ ہم نے یہ معاملہ اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور میں "مقدمۂ دستور" جلد اول، دفعہ 36 میں سے کچھ بیان کرنا چاہوں گا جو خلیفہ کے اختیارات سے متعلق ہے:ا۔ خلیفہ ہی ان احکامات کی تبنی کرتا ہے جو لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے لیے ضروری ہیں اور یہ تبنی کتاب وسُنت سے صحیح اجتہاد کے ذریعے مستنبط کردہ احکامات کی ہوتی ہے تاکہ یہ احکامات قوانین بن جائیں پھر ان پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں۔

پیراگراف (ا) کی دلیل اجماع صحابہ ہے۔ قانون کا لفظ ایک اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں، وہ حکم جو

سلطان (صاحبِ اختیار) صادر کرتا ہے تاکہ لوگ اس کے مطابق چلیں۔ قانون کی یہ تعریف بھی کی جاتی ہے کہ "ان قواعد کا مجموعہ کہ جن پر حکمران لوگوں کو اپنے باہمی تعلقات میں پیروی کرنے پر مجبور کرتا ہے"۔ یعنی سلطان نے جب کچھ متعین احکامات دیئے تو یہ احکامات قانون کہلاتے ہیں، جن کی پابندی لوگوں پر لازم ہے۔ اگر سلطان نے ان کا حکم نہیں دیا تو پھر وہ قانون نہیں اس لئے وہ لوگوں پر لازم بھی نہیں۔ مسلمان تو شرعی احکامات کی پیروی کرتے ہیں اللہ کے اوامر ونواہی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں نہ کہ سلطان (صاحب اقتدار) کے اوامر دنواہی کے مطابق، اس لئے وہ جس چیز کے پابند ہیں وہ احکام شرعیہ ہیں سلطان کے اوامر نہیں۔ تاہم ان شرعی احکامات میں صحابہ کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ بعض نے شرعی نصوص سے جو کچھ سمجھا دوسروں نے اسی شرعی نص سے کچھ اور سمجھا اور ہر ایک اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق عمل بھی کرتا رہا اور ہر ایک کی سمجھ اور اس کا فہم اس کے لیے اللہ کا حکم تھا۔ لیکن بعض شرعی احکامات ایسے ہیں کہ امت کے معاملات کے دیکھ بھال کے تقاضے کی وجہ سے تمام مسلمانوں کا ان کے متعلق ایک رائے پر متفق ہونا لازمی ہے، ان احکامات میں ہر کوئی اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق نہیں چل سکتا اور عملی طور پر بھی ایسا ہوا۔ مالِ غنیمت کے بارے میں ابو بکرؓ کی رائے تھی کہ اسے مسلمانوں کے مابین مساوی طور پر تقسیم کیا جائے کیونکہ حقوق میں تمام مسلمان برابر ہیں۔ جبکہ عمرؓ کی رائے تھی کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی اور جس نے آپ ﷺ کے ساتھ ہو کر اسلام کے لیے لڑائی کی، دونوں کو کیسے برابر سمجھا جائے، یا فقیر اور مالدار کو کس طرح برابر حصّہ دیا جائے بلکہ اسلام میں سبقت اور فقیری اور مالداری کو مدِ نظر رکھ کر تقسیم کرنا چاہیے۔ لیکن ابو بکرؓ چونکہ خلیفہ تھے انہوں نے اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا یعنی مال کو مساوی بنیادوں پر تقسیم کرنے کی تبنی کی، اس مسئلے میں تمام مسلمانوں نے ان کی اتباع کی اور قاضیوں اور والیوں نے بھی اسی رائے کے مطابق فیصلے کیے اور عمرؓ نے اس رائے پر سر جھکایا اور ابو بکرؓ کی رائے کو ہی اختیار کیا۔ اور جب عمرؓ خلیفہ بنے تو اپنی رائے کے مطابق مالِ غنیمت کو افضلیت کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے آپؓ کی پیروی کی اور قاضیوں اور والیوں نے بھی آپ کی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں پر خلیفہ کے تبنی شدہ رائے کی اطاعت واجب ہے خواہ یہ ان کے اجتہاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، ان کو اپنی آراء اور اجتہادات کو ترک کرنا پڑے گا۔ یہ تبنی کردہ احکامات قوانین ہوں گے۔ اس لئے صرف خلیفہ ہی قوانین کا اجراء کر سکتا ہے اس کے علاوہ کسی کو اس کا اختیار نہیں۔) **اختتام اقتباس**

3۔ خلیفہ کی جانب سے لاگو کیے گئے احکامات دو اقسام کے ہوتے ہیں:

ا۔ وہ جو شرعی احکامات ہوتے ہیں جنھیں خلیفہ اختیار کرتا ہے اور لوگوں پر لاگو کرتا ہے مثلاً معاملات، سزاؤں سے متعلق احکامات۔ اس قسم کے احکامات پر عملدرآمد شہریوں کیلئے دو وجوہات کی بنا پر ضروری ہے: اولاً کہ یہ شرعی احکامات ہیں اور دوئم کہ شرعی حاکم کی اطاعت کی فرضیت کی وجہ سے۔

ب۔ دوسری قسم: خلیفہ کی جانب سے وہ انتظامی معاملات، جو وہ لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کیلئے اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کے مفاد میں کرتا ہے، جیسے ٹریفک قوانین۔ شہریوں پر اس قسم کے احکامات کی اتباع ضروری ہے کیونکہ شرعی حاکم کی اطاعت فرض ہے جیسے پہلے بیان ہوا۔

4۔ جہاں تک اس غیر شرعی حاکم کا تعلق ہے جو انسان کے بنائے قوانین سے حکومت کرتا ہے، شریعت میں اس کی اطاعت واجب نہیں اور اس کے قوانین مسلمانوں کیلئے واجب الاطاعت نہیں کیونکہ اس کے پاس مسلمانوں کی جانب سے اطاعت کا حق نہیں۔ آج کے دور میں غیر شرعی حاکم کی جانب سے جاری کیے گئے قوانین کی تین اقسام ہیں:

ا۔ وہ قوانین جو شرعی قوانین سے لیے گئے جیسے "گھریلو قوانین" جن میں نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ اسلامی فقہ سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان قوانین کی پیروی اس وقت تک ہے جب تک یہ شریعت کے مطابق ہیں کیونکہ ان پر عمل دراصل شرعی احکامات پر عمل ہے۔

ب۔ وہ قوانین جو شریعت سے متصادم ہیں جیسے بہت سے قوانین جو سود، زنا، شراب نوشی،

غیر شرعی خرید وفروخت کی اجازت دیتے ہیں، زمین اور اس کی تقسیم سے متعلق قوانین، اقتصادی زندگی اور تعلیم سے متعلق قوانین وغیرہ۔ یہ قوانین اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ کے ذریعے حکمرانی کے زمرے میں آتے ہیں جو حرام ہے۔ ان قوانین پر چلنا مسلمانوں کیلئے جائز نہیں۔ یہ ان کیلئے سختی سے ممنوع ہیں اور انہیں ان قوانین کو تبدیل کر کے شرعی قوانین کے مطابق بنانے کی لازمی کوشش کرنی چاہیے۔

ج۔ انتظامی معاملات سے متعلق قوانین جیسے ٹریفک قوانین، تعلیمی انتظامات، سڑکوں اور چوکوں کی تعمیر اور دیگر معاملات جو انتظامی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مسلمانوں پر شرعیت کے مطابق ان معاملات پر عمل درآمد لازمی نہیں کیونکہ یہ احکامات ایسی ذات کی جانب سے ہیں جس کی اطاعت شریعت میں واجب نہیں۔ اگرچہ یہ قوانین شریعت میں ممنوع نہیں بلکہ ان پر چلنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ انتظامی معاملات کا حصہ ہیں۔

لیکن اگر ان انتظامی قوانین پر نہ چلنے کے نتیجے میں نقصان ہو اور اپنے آپ یا کسی دوسرے کو ضرر پہنچے، جیسے لال ٹریفک سگنل پر نہ رکنا جس کے نتیجے میں ٹریفک حادثہ ہو اور اپنے آپ یا کسی دوسرے کو نقصان پہنچے، تو ان قوانین پر عمل کرنا واجب ہو گا، لیکن غیر شرعی حکمران کی اطاعت کی وجہ سے نہیں بلکہ عملدرآمد نہ کرنے کے نتیجے میں پہنچنے والے نقصان کے اندیشے کی وجہ سے۔ نبی ﷺ نے ضرر کی ممانعت بیان کی، حاکم نے مستدرک میں ابو سعید خدری ؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ، مَنْ ضَارَّ ضَارَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ»** **"نہ (ہم) نقصان اٹھاتے ہیں نہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ جس کسی نے نقصان پہنچایا، اللہ اسے نقصان پہنچائے اور جو کوئی دوسروں کیلئے مشکل کھڑی کرے گا اللہ اس کیلئے مشکل کھڑی کرے گا"**۔ امام حاکم نے کہا، "یہ مسلم کی شرط پر صحیح حدیث ہے اور انھوں نے اسے روایت نہیں کیا"۔ ذھبی نے اس پر "مسلم کی شرط پر" کی رائے دی۔ ان معاملات میں فرضیت غیر شرعی حکمران کے نافذ کردہ انتظامی قوانین کی اطاعت کی وجہ سے نہیں یا غیر مسلم حکمران کی وجہ سے، بلکہ فرضیت نقصان اٹھانے یا پہنچانے کی ممانعت کی وجہ سے ہے۔

لہٰذا اسلامی ممالک جہاں شریعت کی حکومت نہیں اور غیر اسلامی ممالک میں بھی، میں ٹریفک قوانین کے بارے میں یہ کہوں گا کہ ان قوانین اور انتظامی معاملات پر چلنا شرعی طور پر جائز ہے۔ یہ نہ تو حرام ہے نہ ہی واجب ہے، لیکن یہ وجوب غیر مسلم یا ناجائز حکمران کی اطاعت کی وجہ سے نہیں بلکہ نقصان اٹھانے اور پہنچانے کی ممانعت کی وجہ سے ہے۔

5۔ لہٰذا اسلامی ممالک جہاں شریعت کی حکومت نہیں اور غیر اسلامی ممالک میں بھی، میں ٹریفک قوانین کے بارے میں یہ کہوں گا کہ ان قوانین اور انتظامی معاملات پر چلنا شرعی طور پر جائز ہے۔ یہ نہ تو حرام ہے نہ ہی واجب ہے، لیکن یہ وجوب غیر مسلم یا ناجائز حکمران کی اطاعت کی وجہ سے نہیں بلکہ نقصان اٹھانے اور پہنچانے کی ممانعت کی وجہ سے ہے۔

آجکل یہ امر توجہ طلب ہے کہ انتظامی قوانین پر عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے، خصوصاً ٹریفک قوانین میں۔ نقصان سے بچنے کیلئے ان قوانین پر عمل ہونا چاہئے تاکہ قانون توڑنے کے نتیجے میں ہونے والے نقصان سے بچا جا سکے۔

امید ہے کہ معاملے کی ہر لحاظ سے وضاحت ہو چکی ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

7 شوال 1440 ہجری

10/6/2019 CE

ختم شد

سوال وجواب: انبیاء اور صحابہ کے کرداروں پر مبنی فلموں میں کام کرنے اور دیکھنے سے متعلق حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: (منجانب: ابو عافیہ بقاوی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا شیخ!

ایسی فلمیں یا ڈرامے دیکھنے سے متعلق کیا حکم ہے، جن میں انبیاء اور صحابہ کی کردار کَشی کی گئی ہو؟

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فلمیں اور ڈرامے اپنی موجودہ حقیقت میں شرع کے مطابق جائز نہیں کیونکہ وہ جھوٹ، اختلاط اور ستر کے اظہار پر مشتمل ہوتی ہیں کیونکہ غیر محرم مرد ان میں شوہر اور محرم کا کردار ادا کرتے ہیں اور پھر خواتین کا ستر ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ایکے بعد دیگرے شریعت کے احکامات کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ لہٰذا شریعت کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ فلمیں اور ڈرامے جائز نہیں۔ جو امر اس سے بھی کہیں زیادہ خلافِ شرع ہو جاتا ہے وہ صحابہ کے کرداروں کو ادا کرنا ہے، پھر سب سے زیادہ اور کبیرہ ترین گناہ ہوتا ہے جب ایک عام شخص انبیاء اور رسولوں کا کردار کرتا ہے، وہ بھی بغیر کسی شرم یا خوفِ خدا کے! ہم نے پہلے 23/09/2009 کو ایک سوال کا جواب دیا تھا، اسے آپ کے فائدے کیلئے یہاں بیان کرتے ہیں:

"جہاں تک ڈراموں اور کردار کرنے کا تعلق ہے، تو ان میں شریعت کی بیشتر خلاف ورزیاں شامل ہیں:

ا۔ ان میں جھوٹ شامل ہے کیونکہ ایک شخص کوئی اور شخص ہونے کا اظہار کرتا ہے اور ایسے بولتا ہے جیسے وہ کوئی اور شخص ہو جس کا وہ کردار ادا کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ وہی کہتا ہے جو اس کے کردار کی ضرورت ہوتی ہے، چاہے اس کیلئے اسے قسم ہی کیوں نہ کھانی پڑے کیونکہ اس کے کردار نے قسم کھائی، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس کے کردار نے طلاق دی تو اس کے اپنے ہونٹوں سے طلاق وارد ہوتی ہے، لہٰذا اسے یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قیامت کے روز اس کے ادا کیے گئے جھوٹے الفاظ پر اس کا احتساب ہو گا، چاہے وہ مذاق میں ہی کہے۔

ب۔ اس میں کسی شرعی حجت کے بغیر مرد اور عورتوں میں اختلاط شامل ہے کیونکہ مرد اور عورتیں اکٹھے ہوتے ہیں۔

ج۔ ستر کا اظہار - چونکہ غیر محرم مرد شوہروں اور محارم کا کردار ادا کرتے ہیں، جس میں ستر کا نہ ڈھانپنا شامل ہے جو کہ خواتین کو غیر محارم کے سامنے چھپانا چاہیے، اور جو کچھ ستر ڈھانپنے کے علاوہ ہے جیسے مرد اور عورت کے درمیان تعلقات، یعنی غیر محرم مرد شوہر اور محرم کا کردار ادا کرتے ہیں۔

شریعت کی ان عظیم روگردانیوں سے واضح ہے اور جو ان سے بھی عظیم تر ہیں اور سخت ترین شرعی حکم عدولی ہے، جب انبیاء کے کردار ادا کیے جاتے ہیں۔ انبیاء اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے نبوت اور وحی سے چنے جاتے ہیں اور یہ مقام صرف ان ہی کا ہے، کسی اور انسان کا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کسی عام انسان کی طرف سے نبی یا رسول کا کردار اس وحی پر حملہ ہے، اور نبی کو اس کے مقامِ برحق دینے میں ناکامی ہے اور اس کے پیغام کو اس عزت سے محروم کرنا ہے جو اس کا حق ہے اور یہ رسول اور اس کے لائے پیغام کے ساتھ عظیم ظلم ہے۔ یہ شریعت کی دیگر روگردانیوں کے علاوہ ہے جن میں مرد اور عورت باہمی تعلقات کا اظہار کرتے ہیں۔۔۔ وغیرہ۔

لہٰذا یہ فلمیں اور ڈرامے جائز نہیں۔ جہاں تک اس معاملے پر خلافت کے پالیسی کا تعلق ہے جب وہ انشاءاللہ قائم ہو گی، وہ ایسے کردار اور ڈراموں کی اجازت نہیں دے گی جن میں شریعت سے روگردانی ہو۔ جہاں تک اس کی تفصیلات کا تعلق ہے اور اس

وقت اس طرح کے معالات سے متعلق یہ کیسے ہو گا، یہ اسی وقت بیان کیا جائے گا انشاء اللہ۔""

مجھے امید ہے کہ یہ آپ کے سوال کا تسلی بخش جواب ہو گا، اور اللہ بہترین جاننے والا ہے۔

نوٹ:

وہ تمام بھائی اور بہنیں جنہوں نے ٹی وی ڈرامے اور فلمیں دیکھنے سے متعلق سوال کے جواب پر رائے دی اور کہا کہ جواب کردار ادا کرنے سے متعلق تھا نہ کہ دیکھنے سے متعلق، میں کہوں گا: میں نے صرف سوال میں درج کردار ادا کرنے کی حرمت پر جواب دیا ہے "یعنی لوگوں کو انبیاء اور صحابہ کے کردار ادا کر کے دکھانا" اور میں نے کہا کہ یہ جائز نہیں اور جب ریاست قائم ہو گی تو اسے روک دے گی۔ میں نے ایسے ڈرامے یا فلمیں دیکھنے پر جواب نہیں دیا، لیکن میں نے یہ معاملہ سوال کرنے والے کے اجتہاد پر چھوڑ دیا یا وہ کسی قابلِ بھروسہ مجتہد کے اجتہاد کی تقلید کر لیں۔ دوسرے الفاظ میں، اس معاملے پر میں نے کوئی رائے نہیں دی۔

امید ہے کہ معاملہ واضح ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ

28 ربیع الثانی، 1441 ہجری

25/12/2019 CE

ختم شد

بقیہ صفحہ 46 سے

اگرچہ ان کے اپنے حالات اس سے مختلف ہوں۔ افسوس کہ کرونا وبا کے دوران عالم اسلام میں ملک اور لوگوں کو منجمد کر کے رکھ دیا گیا، یہاں تک کہ عوامی زندگی رک گئی۔ حالانکہ عالم اسلام پر اس سے سخت حالات گزرے۔ 18 ہجری میں اس وقت شام میں طاعون کی وبا پھیل گئی جب مسلمان روم کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے۔ اسی طرح چھٹی صدی ہجری میں شام سے مراکش تک وبا پھیل گئی جس کو آج کل بیکٹیریا کی ایک قسم سے پھیلنے والی وبا کہا جاتا ہے، آٹھویں صدی ہجری کے وسط (749ھ) میں دمشق طاعون اعظم کا شکار ہوا، مگر مذکورہ تمام حالات میں کبھی مساجد بند نہیں کی گئیں، نہ ہی جمعہ اور با جماعت نماز روک دی گئی، نہ کبھی لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے بلکہ مریضوں کو علیحدہ کیا گیا، تندرست لوگوں نے کام کاج جاری رکھا، بلکہ جہاد بھی نہیں روکا، وہ مساجد میں اللہ کے سامنے گڑگڑاتے اور اس مصیبت سے بچاؤ کے لیے اللہ کو پکارتے ، اور اس کے ساتھ علاج معالجے پر بھرپور توجہ دیتے اور مریضوں کی بہترین دیکھ بھال کرتے۔ یہی حق بات ہے۔

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾"اور حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے"

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ

2 شعبان 1441 ہجری، 26 مارچ 2020ء

#کورونا

#Covid19

ختم شد

سوال وجواب: کروناوائرس کی حقیقت کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:

چین نے 4 جنوری 2020 ء کو پہلی بار خاص طور پر ووھان شہر میں دسیوں افراد کے کرونا کے مرض میں مبتلا ہونے کا اعلان کیا اور اس کو covid-19 کا نام دیا پھر یہ مرض تقریبا ساری دنیا میں پھیل گیا ،،بہت سے ممالک نے اپنی سرحدیں بند کردیں اور نقل وحرکت پر پابندی لگادی، اس کے بعد جمعہ اور جماعت کی نمازیں بھی روک دی گئیں، اس مرض نے عالمی معیشت پر کاری ضرب لگائی ،امریکہ اور چین نے ایک دوسرے پر الزامات لگانا شروع کر دیے ۔۔۔اس وبا کا مصدر کیا ہے؟ عالمی معیشت پر اس کا عملاً کیا اثر ہو گا؟ اس کا درست علاج کیا ہے؟ کیا اس مرض کے سبب جمعہ اور جماعت کی نماز روکنا درست ہے؟

جواب :

کرونا وائرس کو انگریزی میں Crown کا نام دیا گیا عربی میں اس کے معنی تاج کے ہیں کیونکہ مائیکروسکوپ میں اس کی شکل تاج کی طرح کی ہوتی ہے۔ 1960ء میں پہلی بار Viridi کرونا کا انکشاف ہوا تھا، اسی وائرس کے خاندان سے 2003 میں چین کے علاقے ہانگ کانگ میں ایک وائرس کا انکشاف ہوا جس کو سارس کا نام دیا گیا، جس سے 8422 افراد متاثر ہوئے جن میں سے 916 اموات ہوئیں ۔ 2004ءاور 2005 ء میں اس کی نئی اقسام منظر عام پر آئیں، یوں یہ تسلسل سے سامنے آتا رہا خاص کر 2012 ء میں اور 2014ء میں مگر یہ محدود علاقوں میں محدود پیمانے پر تھا۔ دسمبر 2019 میں چین کے شہر ووھان میں یہ ایک بار پھر سامنے آیا ہے ،حالیہ وائرس سارس 2 وائرس سے 96٪ مشابہ ہے اس لیے اس کو 2019 میں کرونا وائرس کا نام دیا گیا مختصر طور پر اس کو Covid19 کہا جاتا ہے جو کہ 2019 ء میں اس کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی بار اس کا شکار ہونے والوں کے تانے بانے ووھان شہر کی سمندری اور جنگلی حیات کی فوڈ مارکیٹ سے ملے، یہاں سے ہی یہ کئی ملحقہ علاقوں میں پھیل گیا۔ پھر اس کے چمگادڑ کے تاج والے وائرس سے 96٪ مشابہت بھی سامنے آگئی جس کی وجہ سے اس کو اصولی طور پر چمگادڑ سے منسوب کیا گیا۔ اس بار اس سے ہلاکتوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا جن میں سے بیشتر کا تعلق چین سے تھا، جہاں 81193 افراد اسے متاثر ہوئے جن میں سے 3 ہزار ہلاک ہوئے، اس کے بعد اٹلی، ایران، اسپین، فرانس اور امریکہ... میں اس کے پھیلنے سے دنیا کے ہر گوشے میں خوف وہراس پھیل گیا یہاں تک کہ 24 مارچ 2020 ء تک 400400 افراد کے اس سے متاثر ہونے کی تصدیق ہو چکی ہے اور تقریبا 20 ہزار افراد اس سے مر چکے ہیں (Deutsche Willi 2020/3/25) اقوام متحدہ کے سربراہ António Guterres نے کہا کہ Covid-19 کو پھیلنے سے نہ روکا گیا تو کئی ملین لوگ مرجائیں گے(ایرو نیوز- 19 مارچ 2020)... اسی لیے کئی ممالک نے سکو ل یونیورسٹیوں کو بند کر دیا اور اجتماعات پر پابندی لگا دی، لاک ڈاؤن اور اجتماعی قرنطینہ کا اعلان کیا حتی کہ جمعہ اور جماعت کی نماز معطل کرنے کا اعلان کیا.... اس سے پیدا ہونے والے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ضروری ہے:

اول : کیا اس مرض کے پس پردہ کوئی ہے جس نے اس کو بنا کر پھیلایا یا یہ بھی دوسرے امراض کی طرح اللہ کا فیصلہ اور انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ہے؟

دوم : کیا سرمایہ دارانہ دنیا نے اس مسئلے کا درست حل دیا؟ اس جیسے حالات کا شرعی حل کیا ہے؟

سوم : تیل کی قیمتوں اور عالمی معیشت پر اس کرونا وبا کا کیا اثر ہو گا؟

چہارم : کیا اس مرض کے سبب جمعہ اور جماعت کی نماز ترک کرنا جائز ہے؟

اول: اس مرض کی ابتدا اور اس کے پس پردہ محرکات:

1) کرونا Covid-19 کا پھیلاؤ چین سے شروع ہوا، سائنسی اور طبی تحقیق کہتی ہے کہ یہ جانوروں

سے انسانوں کو منتقل ہوا، اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چین کے کفار عام طور پر ہر قسم کے جانوروں کو کھاتے ہیں وہ پاک اور ناپاک میں فرق نہیں کرتے... جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ میڈیا رپورٹس کے مطابق چین کا شہر ووھان اس قسم کے خبیث گوشت کا تجارتی مرکز ہے، اور یہی شہر اس بیماری منبع ہے۔

یوں کرونا چین میں پھیلا، پھر ایران میں ان چینی مزدوروں کے ذریعے منتقل ہوا جو قم شہر میں ریلوے ٹریک تعمیر کرنے والی چینی کمپنی میں کام کر رہے تھے... پھر ایران سے ہی کرونا پورے مشرق وسطیٰ میں پھیل گیا۔ اسی طرح اٹلی نے بھی چینی سرمایہ کاری سے نقل وحمل کے انفراسٹرکچر کے منصوبوں کو شروع کیا تھا.... رپورٹس کے مطابق لومباڈی اور ٹوسکانا کے علاقے میں ہی سب سے زیادہ چینی سرمایہ کاری ہوئی ہے اور لومبارڈی کے علاقے میں ہی 21 فروری کو کرونا کا پہلا کیس سامنے آیا اور یہی علاقہ سب سے زیادہ متاثر ہے...

2) چین کی طرف سے کرونا سے نمٹنے میں کوتاہی اور ابتدا میں اس کو چھپانے اور اس پر قابو پانے میں ناکامی پر امریکہ چین پر برس پڑا جس پر چینی وزارت خارجہ کے ترجمان "ژاو گیان" نے سخت رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے 13 مارچ 2020ء کو ٹویٹ کیا کہ :"اس بات کا امکان ہے کہ امریکی فوج کرونا وائرس ووھان میں لائی ".... (الشرق الاوسط 13 مارچ 2020) ۔امریکی صدر نے بھی چین پر وار کرتے ہوئے کہا:"چین کی جانب سے نئے کرونا کے حوالے سے معلومات فراہم نہ کرنے کی دنیا کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی".... (ایرو نیوز 2020/3/19)..... 16 مارچ 2020 کو امریکی صدر نے اپنے ٹویٹ میں کرونا کو چینی وائرس قرار دیتے ہوئے کہا:"امریکہ چینی وائرس سے متاثرہ شعبوں جیسے ہوابازی کو بھاری امداد دے گا"۔ چینی وزارت خارجہ نے 17 مارچ 2020 کو اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:" یہ بات چین کو بدنام کر رہی ہے ہم اس پر سخت ناراض ہیں اور اسے سختی سے مسترد کرتے ہیں"... (رشیا ٹُو ڈے 2020/3/18) ۔جب شروع میں چین نے یہ الزام لگایا کہ وائرس کو پھیلانے میں امریکہ کا ہاتھ ہے تو واشنگٹن نے 13 مارچ 2020 کو چینی سفیر کو طلب کیا اور امریکی دفتر خارجہ کے عہدیدار نے کہا:" سازشی نظریات کو پھیلانا سخت خطرناک اور گمراہ کن کام ہے ہم چینی حکومت کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اس کو معاف نہیں کریں گے۔ چینی قوم اور دنیا کا مفاد اس میں ہے کہ چین وبا کے پھیلنے میں اپنے کردار کی تلافی کرے" پھر شینگونیوز ایجنسی نے یہ زور دیتے ہوئے کہا کہ بیجنگ کے اقدامات اور کئی ملین افراد کے قرنطینہ سے دنیا کو" قیمتی وقت "مل گیا جس کا عالمی برادری بھی اعتراف کر رہی ہے(رشیا ٹو ڈے 2020/3/15)۔

جب شروع میں چین نے یہ الزام لگایا کہ وائرس کو پھیلانے میں امریکہ کا ہاتھ ہے تو واشنگٹن نے 13 مارچ 2020 کو چینی سفیر کو طلب کیا اور امریکی دفتر خارجہ کے عہدیدار نے کہا:"سازشی نظریات کو پھیلانا سخت خطرناک اور گمراہ کن کام ہے ہم چینی حکومت کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اس کو معاف نہیں کریں گے۔ چینی قوم اور دنیا کا مفاد اس میں ہے کہ چین وبا کے پھیلنے میں اپنے کردار کی تلافی کرے" پھر شینگونیوز ایجنسی نے یہ زور دیتے ہوئے کہا کہ بیجنگ کے اقدامات اور کئی ملین افراد کے قرنطینہ سے دنیا کو "قیمتی وقت "مل گیا جس کا عالمی برادری بھی اعتراف کر رہی ہے(رشیا ٹوڈے 2020/3/15)۔

3) یوں کرونا وائرس Sars Cov2 یعنی Covid19 کے پھیلنے پر امریکہ اور چین کے درمیان لفظی جنگ شروع ہوگئی ۔دونوں ایک دوسرے پر اس وبا کو پھیلانے کے براہِ راست ذمہ دار ہونے کا الزام لگا رہے ہیں اگرچہ دونوں حکومتوں کا اس کے پھیلاؤ کے پیچھے ہاتھ ہونا بعید از امکان نہیں تاہم اس حوالے سے چھان بین کے بعد اس وبا کو پھیلانے کے پیچھے امریکہ یا چین کے ہاتھ ہونے اور اس کو دوسرے ملکوں میں منتقل کرنے کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں، اس کے دو نمایاں اسباب ہیں:

پہلا: یہ دونوں ملک خود اس مرض میں گردن تک ڈوب گئے ہیں، تادم تحریر اعداد وشمار کے مطابق چین

میں کرونا سے متاثرین کی تعداد 81272 اور مرنے والوں کی تعداد 3273 ہے جیسا کہ چائنا نیشنل ہیلتھ کمیٹی نے 23مارچ 2020 کو کہا: اگر وہ اس کو پھیلانے کے ذمہ دار ہوتے تو کم از کم اپنے آپ کو بچالیتے۔

جبکہ CNN Health کے مطابق امریکہ میں کرونا سے مرنے والوں کی تعداد 704 اور متاثرین کی تعداد تادم تحریر 52976 ہے (سی این این عربی 25مارچ 2020)۔ چین اور اٹلی کے بعد کرونا سے متاثر ملکوں میں امریکہ تیسرے نمبر پر ہے... تازہ ترین اقدامات کے مطابق سات ریاستوں میں ایک تہائی امریکیوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے کے احکامات دیئے گئے ہیں نیویارک، کونیٹیکٹ اور نیوجرسی کے بعد لویزیانا اور اوہائیو نے بھی نقل و حرکت پر پابندی لگادی ہے (الجزیرۃ 23مارچ 2020)۔ پس اگر اس مرض کو پھیلانے کے پیچھے امریکہ ہوتا تو کم از کم اپنے آپ کو بچالیتا۔

دوسرا: ان دونوں ممالک میں سے کسی ایک کی جانب سے اس وائرس کو بنانے کی بات اس لیے بھی درست نہیں کہ ابھی تک کوئی ایسی دلیل نہیں کہ یہ وائرس لیبارٹری میں بنایا گیا ہے چنانچہ Nature Medicine میگزین کے مطابق "پہلے سے معلوم کرونا وائرسوں کی اقسام کے جینیاتی مادے کی ترتیب کے حالیہ کرونا وائرس کے ساتھ تقابل سے یہ بات مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ کرونا وائرس فطری عمل کے نتیجے میں بنا ہے" میگزین نے یہ بھی کہا ہے کہ "اس بات کی تائید وائرس کے بنیادی ڈھانچے اور مالیکیولر سٹرکچر کے متعلق معلومات سے بھی ہوتی ہے۔ لیبارٹری میں بنائے گئے وائرس کو اس کے بنیادی ڈھانچے سے پہچانا جاسکتا ہے https://www.npr.org"۔ یہی بات روس، یورپ، ایران سمیت عالم اسلام میں قائم تمام ریاستوں کے متعلق بھی ہے، یہ سب بیماری کے منتقل ہونے میں چین یا امریکہ میں سے کسی ایک سے متاثر ہوئے۔

اس لیے اللہ کے اس ارشاد کے علاوہ کوئی بات نہیں کہ: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ "لوگوں کے اعمال کے سبب بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ہے تاکہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے شاید وہ باز آئیں"۔ یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ سرمایہ دار وں اور ان کے پیروکاروں نے اس دنیا کو شر و فساد کی آماجگاہ بنادیا ہے۔ یہ اپنے مفادات اور ہوس کے علاوہ کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے... امریکہ، چین، روس، یورپ ... کے حکمران ہی اس دنیا کی بدبختی اور اقوام کی مصائب کا سبب ہیں، انسانیت کے خلاف ان کے جرائم کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اس لیے اللہ کے اس ارشاد کے علاوہ کوئی بات نہیں کہ: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ "لوگوں کے اعمال کے سبب بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ہے تاکہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے شاید وہ باز آئیں"۔ یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ سرمایہ دار وں اور ان کے پیروکاروں نے اس دنیا کو شر و فساد کی آماجگاہ بنادیا ہے۔ یہ اپنے مفادات اور ہوس کے علاوہ کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے... امریکہ، چین، روس، یورپ ... کے حکمران ہی اس دنیا کی بدبختی اور اقوام کی مصائب کا سبب ہیں، انسانیت کے خلاف ان کے جرائم کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اس لیے اللہ کے اس ارشاد کے علاوہ کوئی بات نہیں کہ: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ "لوگوں کے اعمال کے سبب بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ہے تاکہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے شاید وہ باز آئیں"۔ یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ سرمایہ دار وں اور ان کے پیروکاروں نے اس دنیا کو شر و فساد کی آماجگاہ بنادیا ہے۔ یہ اپنے مفادات اور ہوس کے علاوہ کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے... امریکہ، چین، روس، یورپ ... کے حکمران ہی اس دنیا کی بدبختی اور اقوام کی مصائب کا سبب ہیں، انسانیت کے خلاف ان کے جرائم کی تعداد بہت زیادہ ہے، **ایغور مسلمانوں پر چین کے جرائم نے زمین و آسمان کو بھر دیا**، روس اور سربوں کے وسطی ایشیا اور بلقان میں جرائم اور شام میں ان کے ہولناک جرائم ابھی جاری ہیں، برصغیر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر برطانوی جرائم کے اثرات آج بھی ہیں، یہ جرائم اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ

اقوامِ عالم پر حکمرانی کرنے والے یہ ممالک انسانیت کی بدبختی کا سبب ہیں جیسا کہ اللہ طاقتور غالب ان کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾ "وہ اپنے اعمال کے وبال سے دوچار ہوئے اور جو لوگ ان میں سے ظلم کرتے رہے ہیں کو عنقریب اپنے اعمال کے وبال کا سامنا ہو گا اور یہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں"۔

دوم: سرمایہ داروں اور ان کے پیروکاروں کی جانب سے اس مسئلے کے حل میں غلطی اور اس کا درست شرعی حل:

سرمایہ داروں اور ان کے پیروکاروں نے اس مسئلے کو تین مراحل میں حل کرنے کی کوشش کی

پہلا مرحلہ: اس معاملے کا بلیک آوٹ

1) چینی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ چینی حکومت نے چینی عوام اور دنیا سے اس قاتل مرض کی حقیقت کو چھپایا۔ چینی حکومت دسمبر 2019 کے وسط سے ہی اس کے پھیلاؤ سے باخبر تھی مگر اس نے اس بارے میں خاموشی اختیار کی اور سال کے آخر میں اس کے شکار افراد کی تعداد بڑھنے تک اس کا اعتراف نہیں کیا۔ چینی-امریکی صحافی "شانگ وی وانگ" نے کہا کہ حکومت نے جنوری تک ووھان کی سمندری فوڈ مارکیٹ کو بھی بند نہیں کیا جہاں سے یہ مرض پھیل گیا تھا۔

رپورٹ میں اس بات کا بھی انکشاف کیا گیا کہ بحران کی ابتدا میں اس مرض کے بارے میں معلومات کا تبادلہ کرنے پر 8 چینی باشندوں کو غیر مصدقہ معلومات فراہم کرکے قانون شکنی کا مرتکب قرار دے کر گرفتار کیا گیا، رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ ووھان میں مقامی اتھارٹیز کہہ رہی ہیں کہ حالات معمول پر ہیں اور 18 جنوری کو ایک روایتی مقامی تہوار کی بھی اجازت دی گئی جس میں تقریبا40ہزار خاندانوں نے شرکت کی(حوالہ سابقہ 2020/2/1)۔

2) چینی عہدہ داروں نے 31 دسمبر تک اس بحران کے خطرات کو عوام سے پوشیدہ رکھا، تب چین نے عالمی ادارہ صحت کو اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ "مرض سے بچاؤ اور اس پر قابو پانا ممکن ہے"۔ 23 جنوری کو چینی حکومت نے ووھان شہر میں لاک ڈاؤن کیا اور سفر پر مکمل پابندی لگا دی(مصراوی 2020/3/23)...

دوسرا مرحلہ:

قرنطینہ اور جزوی طور پر الگ تھلگ کرنا...

1) امریکی محکمہ صحت کے عہدہ دار نے ہفتے کے دن کہا کہ آٹھواں شخص نئے کرونا وائرس کا شکار ہو گیا ہے، امریکی وزارتِ دفاع نے کہا کہ باہر سے آنے والے جن لوگوں کو قرنطینہ میں رکھنا ہوا انہیں پناہ گاہیں فراہم کریں گے..... چین کے وسط میں ووھان اور ھوبی جہاں وائرس منظرعام پر آیا عملی طور پر قرنطینہ میں ہیں(سکائی نیوز2/2/2020)

2) امریکہ میں نیویارک کے گورنر اندرو کومو نے کہا کہ "ہم قرنطینہ میں ہیں" اور تاکیداً کہا "ہوسکتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ سخت اقدامات اٹھائیں " نیویارک، کیلیفورنیا اور نیوجرسی کے بعد Illinois میں لاک ڈاؤن کی حالت میں 85 ملین افراد گھروں تک محدود ہیں، جن کو صرف محدود چہل قدمی اور شاپنگ کا استثنیٰ ہے..... (Deutsche Willi-21مارچ2020)

گھروں میں قریباً مکمل علیحدگی....

دنیا میں سینکڑوں ملین اشخاص اس امید سے گھروں میں روکے گئے ہیں کہ شاید کرونا وبا کے پھیلاؤ کو روکنا ممکن ہو جس کی وجہ سے گیارہ ہزار لوگ مرچکے۔ انسانی تاریخ میں کبھی اس قسم کے سخت اقدامات نہیں اٹھائے گئے جو اس وقت مختلف ممالک میں مختلف انداز سے اٹھائے گئے ہیں ... 800 ملین سے زیادہ لوگ 30 سے زیادہ ممالک میں گھروں میں محبوس ہیں خواہ یہ عام حفاظتی اقدامات کی وجہ سے ہو یا گھومنے پھرنے پر پابندی کی وجہ سے(فرانس پریس).... جرمنی میں حکومت نے حفاظتی اقدامات کو مزید سخت کرنے اور زندگی کو مقید کرکے بیشتر لوگوں کو گھروں میں بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے.... اٹلی جو یورپ میں سب سے زیادہ متاثر ہوا جہاں 4ہزار لوگ مرچکے ہیں، بوڑھے براعظم میں پہلا ملک ہے جس نے اپنے شہریوں کو گھروں میں محبوس کردیا تاکہ کرونا وبا کے پھیلاؤ کے روک تھام سے متعلق اقدامات کو مزید سخت کیا

جاسکے ،اب ہفتے کے آخری دنوں کی چھٹیوں میں تمام پارکس اور سیر گاہوں کو بند کرکے اٹلی اپنے لوگوں کوان کے گھروں میں قید کرنے کے اقدامات کر رہاہے، چوبیس گھنٹے کے اندر 627 افراد کے ہلاک ہونے اور بحران کے انتہا پر پہنچنے کے بعد حکومت نے یہ اقدامات کیے ہیں(Deutsche Willi 2020/3/21)

ان تینوں حل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے یہ مسئلے کو حل نہیں کرتے بلکہ یہ معاشی ناکامی میں مزید اضافہ کرکے ایک اور ناکامی کا سبب بنتے ہیں جس سے یہ مرض بھی دوچند ہوگا اور لوگ مزید بیماریوں کا شکار بھی ہوں گے جیسا کہ ہم سرمایہ دارانہ معاشرے کے حالات کے بارے میں سُن رہے ہیں... اس لیے اس مرض کا درست علاج وہی ہے جو اللہ کی شریعت میں آیا ہے کہ ریاست ابتدا میں ہی اس مرض کا پیچھا کرتی ہے اور مرض کو اسی جگہ تک محدود رکھنے کے لیے کام کرتی ہے جہاں وہ پیدا ہوا ہو ،اور دوسرے علاقوں میں تندرست لوگ کام اور پیداوار کو بڑھانے کو جاری رکھیں.... بخاری نے اپنے صحیح میں اُسامہ بن زید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ «إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا»"جب تم کسی زمین میں طاعون کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر وہ کسی ایسی زمین میں پھیل جائے جہاں تم ہو تو وہاں سے مت نکلو" بخاری اور مسلم میں ایک اور حدیث ہے، مسلم کے الفاظ ہیں کہ اُسامہ بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ الطَّاعُونُ رِجْزٌ أَوْ عَذَابٌ أُرْسِلَ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَاراً مِنْهُ»"طاعون ایک عذاب ہے جسے بنی اسرائیل یا تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا، اگر تم کسی زمین میں اس کے پھیلنے کا سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر وہ کسی ایسی زمین میں پھیل جائے جہاں تم ہو، تو وہاں سے مت نکلو" بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَنِي «أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَأَنَّ اللَّهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِراً مُحْتَسِباً يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جس پر اللہ چاہتا ہے اس کو نازل کرتا ہے مگر اللہ نے مومنوں کے لیے اس کو رحمت بنایا ہے اور جو بھی کسی ایسی زمین میں ہو جہاں یہ پھیل جائے اور وہ صبر کے ساتھ ثواب کی نیت سے یہ جانتے ہوئے وہاں ٹھہرا رہے کہ اس کے ساتھ وہی ہوگا جو اللہ نے لکھا ہے، تو اسے شہید کا اجر ملے گا"۔

اس قسم کا قرنطینہ اس ریاست میں تھا کہ جو تمام ریاستوں میں سب سے آگے تھی اور جس کی تہذیب سب سے اعلیٰ تھی، جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ وحی کے ذریعے حکمرانی کر رہے تھے۔ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ عمرؓ بن خطاب شام کے سفر کے لیے نکلے ،جب سرغ میں پہنچے تو آپ کو خبر ملی کہ شام میں وبا پھیل گئی ہے۔ عبد الرحمن بن عوفؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ «إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ»"جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ کسی زمیں میں وبا پھیل گئی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر کسی ایسی زمین میں وبا پھیل جائے جہاں تم موجود ہو تو وہاں سے بھاگ مت نکلو"۔ عمرؓ واپس ہوگئے ...یعنی جب آپؓ کو خبر ملی کہ طاعون پھیل گیا ہے تو وہ مسلمانوں کو لے کر واپس ہوگئے۔ اس لیے اسلامی ریاست وبا کو اس کے پیدائش کی جگہ محدود کرنے کی کوشش کرے گی، اس علاقے کے لوگ وہیں رہیں گے، دوسرے علاقے کے لوگ وہاں نہیں جائیں گے ...اور ریاست ایک نگہبان اور امانت دار ریاست کے طور پر اپنی شرعی ذمہ داری ادا کرے گی۔ وبا پھیلنے کی صورت میں تمام رعایا کو صحت اور علاج معالجے کی تمام سہولیات مفت فراہم کرے گی، ہسپتال اور لیبارٹریوں کا بندوبست کرے گی، شہریوں کی بنیادی ضروریات اور تعلیم و امن وامان کا بندوبست کرے گی... مریضوں کو تندرست لوگوں سے الگ رکھنے کے لیے مریضوں کو قرنطینہ کرے گی، تندرست لوگوں کو اپنے کام جاری رکھنے، اجتماعی

اقتصادی سرگرمیاں حسبِ سابق جاری رکھنے کی اجازت دے گی، تمام لوگوں کو گھروں میں بند کر کے معاشی زندگی کو مفلوج کر کے بحران کو بڑھا کر مشکلات میں اضافہ نہیں کرے گی...

تیسرا: تیل کی قیمتوں اور عالمی معیشت پر کرونا مرض کے اثرات:

اس وباء کے بغیر بھی عالمی معیشت کساد کا شکار تھی... ایسے حالات میں دنیا میں لاک ڈاؤن، کلی اور جزوی محبوسی کے اقدامات کیسے کیے جاسکتے ہیں؟ یہ اقدامات اگر عالمی معیشت کو نہ بھی گرائیں مگر اس کو مزید سست روی سے دوچار کر دیں گے۔ وائرس نے عالمی تجارتی سرگرمی کو مفلوج کر دیا ہے اور تیل کی قیمتوں کو گرا دیا ہے۔ تیل کی قیمتیں کم ہونے اور روس کی جانب سے پیداوار بڑھانے پر مجبور ہونے سے اس کے اور سعودی عرب کے درمیان قیمتوں کی جنگ شروع ہوگئی ہے کیونکہ روس تیل پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے سعودی عرب کو روس کے مقابلے میں پیداوار میں اضافے کے لیے متحرک کیا ۔ امریکی صدر ٹرمپ نے 19 مارچ 2020 کو یہ کہتے ہوئے روس کو دھمکی دی کہ "وہ مناسب وقت پر روس اور سعودی عرب کے درمیان قیمتوں کی جنگ میں مداخلت کرے گا..." (امریکی ٹی وی الحرۃ، 19 مارچ 2020) ۔ سعودی عرب روس کے ساتھ امریکہ کے مارکیٹ شئیر کی جنگ لڑ رہا ہے۔ روس اور سعودی عرب کے درمیان پیداوار کم رکھنے کا معاہدہ تین سال جاری رہنے کے بعد ٹوٹ گیا۔ کرونا وائرس کے پھیلاؤ کے سبب عالمی منڈی میں تیل کی طلب کم ہونے سے دونوں ممالک مسائل کا شکار ہیں۔ تیل کی قیمتیں 20 سال کی کم ترین سطح پر ہیں ۔ آنے والے معاہدوں کے لیے میکس برنٹ کی قیمت 75. 28 ڈالر ہے۔ روس سعودیہ کے امریکہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کو جانتا ہے چنانچہ روسی روسنف کمپنی کے ترجمان میخائیل لیونیف نے روسی میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ "کئی بار اوپیک پلس معاہدے کو جاری رکھنے کے لیے تیل کی پیداوار میں کمی کی گئی مگر بہت سرعت سے عالمی مارکیٹ میں اس کی جگہ امریکی شیل آئل کو لایا گیا "(رائٹرز، 18 مارچ 2020) ۔ مگر وہ اس حوالے سے کسی قسم کے اقدامات نہ کر سکے پس سعودیہ نے بحران کا رخ روس کی طرف کر دیا یوں 1، 2 ملین بیرل کمی کرنے کے معاہدے کو جاری نہ رکھا جاسکا بلکہ پیداوار میں اضافہ کیا گیا، جس سے پیر کے دن تیل نے اپنی ایک تہائی قیمت کھو دی جو کہ 1991 کے خلیج جنگ کے بعد سب سے زیادہ خسارہ ہے.... یوں آنے والے معاہدوں کے لیے خام برنٹ کم ہو کر 05. 31 سے کم ہو کر 02. 31 پر فی بیرل آگیا، اس سے قبل 31٪ سے 02. 31٪ کم ہوا تھا جو کہ 2010 کے بعد کم ترین سطح ہے (رائیٹرز 19 مارچ 2020) پھر اس نے اپنے ایشیائی گاہکوں کے لیے قیمت میں 6 ڈالر کمی کی، اب روس اوپیک پلس معاہدے کی طرف دوبارہ لوٹنے کی کوشش کر رہا ہے اور مزید کمی کے لیے نرمی دکھا رہا ہے۔

یوں کرونا وائرس نے عالمی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا ہے جس سے تیل کی قیمتیں گر گئیں اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو خطرہ ہے عالمی معیشت زمین بوس ہو جائے گی...

چوتھا: کیا مساجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز ترک کرنا جائز ہے؟

وبا پھیلنے کی وجہ سے عمومی طور پر باجماعت نماز اور نمازِ جمعہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا بلکہ صرف مریضوں کو الگ کر کے جماعت اور جمعہ کی نماز کے لیے انہیں مسجد آنے سے روکا جائے ، اگر ضرورت پڑے تو صفائی، جراثیم کشیاور ماسک کا بندوبست کیا جائے... مگر تندرست لوگ بلا تعطل اپنی نماز جاری رکھیں ، اگر مشتبہ مریضوں کی چیک اَپ کی ضرورت ہو تو مساجد کے گیٹ پر طبی عملہ تعینات کیا جائے یعنی تندرست لوگوں کی نماز میں خلل کے بغیر مریضوں کے لیے حفاظتی اقدامات کیے جائیں کیونکہ جمعہ اور باجماعت نماز کے دلائل نماز کو مستقل طور پر معطل کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور جیسا ہم بیان کریں گے کہ ان کی ادائیگی کے لیے بہت بڑی تعداد کی بھی ضرورت نہیں، بعض مسلمانوں کو وجوہات کی بنا پر رخصت ہے ،اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

باجماعت نماز فرضِ کفایہ ہے، لوگوں پر اس کا اہتمام فرض ہے۔ ابو داؤد نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمْ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدْ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمْ الشَّيْطَانُ، عَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا

يَأْخُذُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ»"جس علاقے یا بستی میں تین آدمی ہوں اور وہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں تو ان پر شیطان مسلط ہوگا ۔(مسلمانوں کی)جماعت کو لازم پکڑو، بھیڑیا ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری کو لے جاتا ہے" اس حدیث کو ابوداؤد نے حسن اسناد سے روایت کیا ہے۔ یہ باجماعت نماز کے بارے میں ہے اور یہ فرض کفایہ ہے کیونکہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت کی نماز نہیں پڑھی تو آپ نے ان کے گھروں کو جلانے کا ارادہ ظاہر کرکے پھر چھوڑ دیا۔ بخاری نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقاً سَمِيناً أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ» "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میری جان ہے، میرا دل کرتا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور لکڑیاں جمع کی جائیں پھر نماز کا حکم دوں اور اس کے لیے آذان دی جائے پھر کسی آدمی کو لوگوں کی امامت کا حکم دوں اور میں جماعت میں نہ آنے والوں کے گھروں کو جا کر آگ لگادوں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اسے موٹی سے گوشت والی ہڈی حاصل ہو گی، یا پھر اسے اچھے سے دو پائے کے کھر حاصل ہونگے تو وہ عشاء کی نماز میں حاضر ہوں گے"۔ اگر جماعت فرضِ عین ہوتی تو آپ ﷺ انہیں نہ چھوڑتے۔ یہ باجماعت نماز کے بارے میں ہے کیونکہ اس میں عشاء کی جماعت کا ذکر ہے۔ جماعت کم سے کم ایک مقتدی اور امام کے ساتھ ہوتی ہے، جیسا کہ مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ "«أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَا وَصَاحِبٌ لِي فَلَمَّا أَرَدْنَا الْإِقْفَالَ مِنْ عِنْدِهِ قَالَ لَنَا إِذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا» میں اور میرا ایک ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جب جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا جب نماز کا وقت ہو تو آذان دینا، پھر ایک اقامت کرے اور جو بڑا ہے وہ امامت کرے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ شرعی عذر کے بغیر جماعت ساقط نہیں ہوتی جیسا کہ رات کی تاریکی اور بارش کا ذکر بخاری میں ہے کہ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّناً يُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِهِ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوْ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَر "سخت سردی کی رات میں یا سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن سے کہتے آذان دو، وہ آذان دیتا، اس کے بعد اعلان کرتا کہ اپنے ٹھکانوں پر ہی نماز پڑھ لو"۔

اور جہاں تک جمعہ کی نماز کا تعلق ہے، تو وہ فرضِ عین (ہر مسلمان پر فرض) ہے جو صرف شرعی عذر سے ہی ساقط ہو سکتی ہے اس کے دلائل بہت ہیں، اللہ کا یہ ارشاد: ﴿إِذَا نُودِي لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ "جب جمعہ کے دن نماز کے لیے آذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارت ترک کردو"۔ اس آیت میں امر وجوب کے لیے ہے جس کی دلیل یہ قرینہ ہے کہ یہاں مباح (تجارت) سے منع کیا جارہا ہے، پس یہ طلب حتمی طلب ہے۔ حاکم نے المستدرک علی الصحیحین میں طارق بن شہاب سے پھر ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ «الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ» "جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ ایک واجب حق ہے، سوائے چار افراد کے غلام، عورت، بچہ اور مریض"۔ اور امام حاکم نے بیان کیا کہ یہ حدیث شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ یہ خوف زدہ پر بھی فرض نہیں جیسا کہ ابنِ عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: «مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ» "جو شخص آذان سنے اور اس کا جواب نہ دے تو اس کی نماز نہیں سوائے عذر کے لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول عذر کیا ہے؟ فرمایا خوف یا مرض" اس کو بیھقی نے سنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔ اس لیے جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے سوائے اس کے جس کا عذر نص میں وارد ہے اور اسی کو استثنیٰ حاصل ہے...

ان کے علاوہ سب پر جمعہ فرضِ عین ہے صرف

مذکورہ عذر شرعی عذر ہیں۔ ان پر کسی اور عذر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شرعی عذر وہ ہوتا ہے جو شرعی نص میں وارد ہو اور عبادات میں قیاس نہیں ہوتا کیونکہ عبادات میں علت والی نصوص ہی نہیں ہیں اس لیے قیاس بھی نہیں...

جمعہ کی نماز کے لیے شرط ہے کہ اس میں مسلمانوں کی تعداد ہو مگر یہ تعداد متعین نہیں ، صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کی نماز میں تعداد کا ہونا لازمی ہے، پس ضروری ہے کہ اس میں تعداد ہو۔ اس میں کسی متعین عدد کی شرط نہیں، پس کوئی بھی تعداد جس پر جماعت کا اطلاق ہو اس کے ساتھ جمعہ کی نماز ہو جائے گی جب تک کہ وہ جماعت سمجھی جائے۔ چونکہ جماعت کا ہونا طارق سے مروی سابقہ حدیث سے ثابت ہے «الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ»" جمعہ حق اور ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ فرض ہے" اور چونکہ تعداد کا ہونا اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے اور کوئی ایسی حدیث نہیں جو کسی متعین تعداد پر دلالت کرتی ہو، جبکہ جماعت اور تعداد کا ہونا ضروری ہے ، پس یہ تین یا تین سے زیادہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ دو کو تعداد والی جماعت نہیں کہا جاتا، اس لیے لازمی ہے کہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے تین یا اس سے زیادہ لوگ ہوں، چنانچہ تین سے کم افراد کا جمعہ پڑھنا درست نہیں نہ ہی اسے جمعہ کہا جائے گا،تعداد کے عدم وجود کی وجہ سے۔ جمعہ کے لیے تعداد ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ریاستِ خلافت جمعہ یا جماعت کی نماز کو معطل نہیں کرے گی بلکہ صرف شرعی طور پر معذور افراد شریک نہیں ہوں گے، باقی لوگ جماعت میں شریک ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ اگر غالب گمان ہو کہ سبھی لوگ وبا کا شکار ہو جائیں گے اور تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود اس سے بچنا ممکن ہی نہیں... تو اس کا امکان بہت کم ہے، خاص طور پر جبکہ جماعت کے لیے کم از کم تعداد دو ہے اور جمعہ کے لیے تین ہے اور اسے حاصل کرنا غالب طور پر ممکن ہے، تو اگر کسی علاقے میں یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ایسی صورتِ حال ہے تو اسی ترتیب کو اختیار کیا جائے۔ اور حکم کو تمام تر کوشش اور ذمہ داری کے ساتھ برقرار رکھنا لازم ہے۔ اگر تعداد کو حاصل کرنے کا غالب گمان ہو تو جماعت اور جمعہ کو معطل نہیں کیا جائے بلکہ تمام تر احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں ، اور فرض کو ترک کرنے سے بچا جائے اور اسے احتیاطوں اور تدابیر کے ساتھ قائم کیا جائے تاکہ بیماری ایک سے دوسرے کو نہ لگے۔ اس مسئلے میں یہ راجح حکم ہے، اس لیے حکمران اگر مذکورہ غالب گمان کے بارے میں پوری تحقیق کیے بغیر مساجد کو بند کریں، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور لوگوں کو جمعہ اور جماعت سے روکیں تو وہ باجماعت نماز اور جمعہ کو معطل کرنے پر سخت گنہگار ہوں گے۔

> یہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ عالم اسلام کے حکمران استعماری کفار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خُوبہ خوان کی نقالی کرتے ہیں، وہ وبا کے علاج کے لیے اپنی اختیار کردہ تدابیر کے نتیجے میں مسئلوں کا شکار ہوں تو تب بھی یہ ان کی پیروی کرتے ہیں، وہ کوئی حل پیش کریں تو یہ مسلم ممالک میں ان کی تعریفیں کرتے ہیں اور اسے صحت بخش سمجھتے ہیں، اگرچہ ان کے اپنے حالات اس سے مختلف ہوں۔ افسوس کہ کرونا وبا کے دوران عالم اسلام میں ملک اور لوگوں کو منجمد کر کے رکھ دیا گیا، یہاں تک کہ عوامی زندگی رک گئی۔ حالانکہ عالم اسلام پر اس سے سخت حالات گزرے۔

آخر میں یہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ عالم اسلام کے حکمران استعماری کفار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خُوبہ خوان کی نقالی کرتے ہیں، وہ وبا کے علاج کے لیے اپنی اختیار کردہ تدابیر کے نتیجے میں مسئلوں کا شکار ہوں تو تب بھی یہ ان کی پیروی کرتے ہیں، وہ کوئی حل پیش کریں تو یہ مسلم ممالک میں ان کی تعریفیں کرتے ہیں اور اسے صحت بخش سمجھتے ہیں

بقیہ صفحہ 38 پر

حزب التحریر ولایہ ترکی کی طرف سے استنبول میں عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد
بعنوان: خاندان سے ریاست تک—اسلامی معاشرے کی تعمیر

پریس ریلیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

3مارچ1924ء کو(یوم سقوط خلافت کے موقع پر)ولایہ ترکی میں حزب التحریر نے ایک بہت بڑی کانفرنس کا انعقاد کیا، جس کا عنوان تھا: خاندان سے ریاست تک—اسلامی معاشرے کی تعمیر، جس میں کئی سینکڑوں مسلمانوں نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس استنبول میں منعقد کی گئی اور یہ اس مہم کا تسلسل تھی جو "اسلام خاندان، نسلوں اور معاشرے کی حفاظت کرتا ہے" کے عنوان سے حزب التحریر ولایہ ترکی چلا رہی تھی https://youtu.be/hcxMx1LKODE

کانفرنس کے موضوعات یہ تھے:

استنبول کنونشن اور اس سے متعلقہ قوانین کا خاندانی اکائی پر تباہ کن اثر"،

"اسلام میں خاندان کی اہمیت" اور

"معاشرے اور خاندان کا بچاؤ کیسے کیا جائے"۔

کانفرنس کے سپیکرز میں عالم دین: ڈاکٹر عبد الرحیم سین(Siyar Vakfi فاؤنڈیشن کے بانی)، محمد امین یلدرم اور عالم دین عبد اللہ امام اوغلو شامل تھے۔

محمد امین یلدرم نے کانفرنس کی میزبانی کی جو کہ Köklü Değişim Magazine کے مصنف ہیں۔

کانفرنس کا آغاز حافظ براق بلتعہ نے قرآن کریم کی تلاوت سے کیا۔

#أقيموا_الخلافة

#ReturnTheKhilafah

#YenidenHilafet

#AileyiNesliToplumuKoru

#3Mart1924

ولایہ ترکی میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کا نمائندہ

VLETE
LUMUN
İstanbul
Aile
Allah ve Râsulunun
Koruduğu Kaledir
www.aileyikoru.com

نصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا، جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امتِ کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امتِ مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ ﷺ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے ان کی حمایت و نصرت طلب کریں۔ پس آپ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نُصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی، بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کر دیں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **"ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ"** پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)